ماهنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

NOVEMBER 1986

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

جلد ۱ شمارہ ۵

نومبر ۱۹۸۶ء

مدیر منتظم	نور محمد فلاحی
مدیر	طارق فارقلیط فلاحی

○ مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ ○

●

قیمت فی شمارہ	۳ روپے
سالانہ تعاون	۳۰ روپے
خصوصی تعاون	۱۰۰ روپے
لائف ممبر شپ	۵۰۰ روپے
غیر ممالک سے	۱۵ امریکی ڈالر

ترسیل زر و خط و کتابت کا پتہ

دفتر مجلہ حیات نو، بلریا گنج اعظم گڈھ، یوپی

نشاط آفسٹ پریس ٹانڈہ

۲۷۶۱۲۱

کتابت: عبدالرحیم اعظمی

نقوش حیات نو

اداریہ	کیا یہ تربیت کی خامی ہے یا نصاب تعلیم کی؟	ایڈیٹر	٣
تحقیق و تفتیش	خلیفہ کا مفہوم	طارق فاطمی	٦
تاریخی ریکارڈ	مکالمۃ الصدرین	طاہر احمد آفاقی	١٢
ترجمہ و تلخیص	طب اسلامی	عبد الباری فلاحی	٢٠
روشن مینار	حضرت خباب بن ارت رض	ابو جاوید استاد جامعہ	٣٤
گوشۂ ادب	ایک شعر کی اصلاح	تابش مہدی	٢٩
میدان جہاد	کابل پوری طرح مجاہدین کی گرفت میں ہے	رفیق افغان	٥١
اخوان و حوادث	دعا کیجئے	محمد طارق بھوپالی	٤٩
طب و صحت	پروٹین	عمار بن صابر	٥٦
شعر و نغمہ	غزلیں	عزیز بگھروی، شفیق طاہری، ابو البیان حماد	٣٢-٤٣
		ادریس ضیاء، اظہر نیر دربھنگوی	٣١
		محبوب عالم فلاحی، شفیق اعظمی، ڈاکٹر ابراہیم، اقبال زاہد، اسلم نصیر پوری	٥٥
تعارف و تبصرہ	شہر اولیاء	ادارہ	٥٨
حلقۂ یاراں		ماسٹر حفیظ دریا گنج	٦٠
جامعہ کے لیل و نہار		ادارہ	٦٣

اداریہ

کیا یہ تربیت کی خامی ہے یا نصاب تعلیم کی؟

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ برصغیر ہند و پاک میں اسلام کی ترویج و اشاعت اور مسلمانوں کو دینی بیداری میں عربی مدارس کا زبردست رول رہا ہے، جب بھی برصغیر کی تاریخ اس انداز سے ترتیب دی جائے گی مورخ کا قلم نہ صرف اس پر روانی سے آگے بڑھے گا بلکہ ہماری تاریخ کا یہ حصہ ہمارے لئے سرمایہ صد افتخار ہوگا۔ ملت اسلامیہ ہند پر جب برا وقت آیا، اقتدار جاتا رہا، غیروں کی غلامی کے حلقے تنگ ہوگئے اور ہندو احیاء پرستی اور مغربی تہذیب و معاشرت نے ایکا کر کے چاروں جانب سے حملہ کیا اور سیکولر تعلیم کے نئے ڈھانچے ترتیب دئے گئے تو اس کے سوا ہمارے لئے کوئی اور چارہ نہ رہا کہ ہم تعلیم کا ایک متوازی نظام قائم کریں۔ یہ تحریک جد و جہد اور بے مثال قربانیوں کے بغیر ممکن نہ تھا چنانچہ اپنی نئی نسل کو بچانے کے لئے اور اسلام کے تحفظ اور اشاعت کے لئے علماء نے بے مثال قربانیاں دیں اور عوام ان کے شانہ بشانہ موجود رہے۔ دونوں میں سے کوئی ایک بھی ہمت ہار جاتا تو یہ کام ممکن نہ ہو پاتا اور یہی وجہ ہے کہ آج پورے ہندوستان میں عربی مدارس اور مکاتب کا ایک جال پھیلا ہوا ہے اور ہر سال ہزاروں افراد تعلیم و تربیت کے مراحل سے گزر کر میدان کارزار میں حق و باطل کی کشمکش میں حق کا بول بالا کرنے کے لئے کود پڑتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس راہ میں قربانیاں دے رہے ہیں اور مصائب برداشت کر رہے ہیں خواہ وہ عوام ہوں یا علماء۔

لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آج جتنی باطل تحریکیں اور پارٹیاں ہیں جو اسلام کو ختم کرنے یا نقصان پہنچانے کے لئے وجود میں آئی ہیں اور علاوہ ایسا کر بھی رہی ہیں ان کو اسلام کے خلاف مواد فراہم کرنے والے اور پیش پیش یہی علماء، ہمارے عربی مدارس کے فارغین رہے ہیں۔ غیروں کے اشارے پر انھوں نے اسلام پر بیجا اعتراضات کئے، اسلامی تعلیمات کو غلط انداز میں پیش کیا اور قرآن و حدیث کی من مانی اور من چاہی تاویل و تشریح کی، اسلام میں قومیت، وطنیت، کمیونزم، سوشلزم وغیرہ ہر چیز کو ثابت کیا اور اس کے علمبردار بن گئے۔

عربی مدارس کے بارے میں کسی نے یہ بات کہی تھی کہ یہ اسلام کے قلعے ہیں جہاں سے اسلام کے سپاہی تیار ہوتے ہیں مگر اب یہ بات نہ رہی بلکہ ان قلعوں کی حالت نہایت ناگفتہ بہ ہے اب ان کی تصویر کچھ اس طرح بنتی ہے۔

۱۔ احساس کمتری کا شکار، دوسروں سے جلد مرعوب ہونے والے

۲۔ متعصب، تنگ نظر، گروہی اور مسلکی اختلافات کے شکار اور غیر مسلک کو برداشت نہ کرنے والے

۳۔ اسلام پر ضرورتاً یقین و اعتماد، چنانچہ عربی مدارس میں ۴، ۵، ۱۰، ۱۲، ۱۴ سال گذارنے کے بعد دہریت کی طرف مائل، تارک الصلوٰۃ، خدا اور رسول کا مذاق اڑانے والے افراد پائے گئے ہیں اور پائے جاتے ہیں۔

۴۔ اخلاق و کردار سے بالکل عاری، فارغ ہونے کے چند ہی ماہ یا سالوں میں بے ایمانی، دھوکہ بازی وغیرہ اور اسی طرح کی برائیوں میں ملوث پائے جاتے ہیں۔

۵۔ دین کا محدود علم اور محدود تصور رکھنے والے اور اسی کو مکمل اسلام سمجھنے والے۔ جدید اور عصری تعلیم سے ناواقف اور دنیا کے حالات سے بے خبر اور لاپرواہ۔

یہ چند باتیں ہیں جو بادی النظر میں اگرچہ سرسری معلوم ہوتی ہیں مگر اس کے بعد عربی مدارس کے فارغین کے اندر صرف گوشت پوست اور ہڈیاں ہی بچی ہیں کوئی اور خوبی نہیں رہ جاتی اور یہی وجہ ہے کہ آج عوام و خواص میں علماء اور نام نہاد علماء دونوں بدنام ہیں اور عوام کا اعتماد ان سے اٹھتا جا رہا ہے اور یہ حال کسی ایک عربی مدرسہ کا نہیں بلکہ ہندوستان میں پائے جانے والے اکثر بلکہ تمام مدرسوں کا ہے۔

فکر کی بات یہ ہے کہ ایسی جگہ جہاں دن رات قال اللہ و قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ورد ہوتا ہے اور جہاں دین سے متعلق ہی تمام مضامین پڑھائے جاتے ہیں اور ہم خیال اساتذہ کی ایک ٹیم ہر آن موجود ہوتی ہے ایک طویل عرصہ کے بعد بھی ذہن تک اندر محبت اسلام، جذبہ اور ثابت قدمی، نمازوں کی پابندی، اسوۂ حسنہ کی فکر کاری اور قرآن کے مطلوبہ مومن کی صفات پیدا نہیں ہوتیں اور وہ جیسے ہی مدرسہ کی چہار دیواری سے باہر جاتا ہے ایسا ہی نا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس نے کسی عربی مدرسہ میں چودہ سال گذارا ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ آئیے ہم سب مل کر اس پر غور کریں۔

۱۔ نصاب تعلیم کی خامی: سب سے پہلی بات جو ابھر کر سامنے آتی ہے وہ نصاب تعلیم کی خامی ہے۔ عربی مدارس

کا نصاب جو درس نظامی کے نام سے موسوم ہے بہت پہلے بنایا گیا تھا۔ اور یہ اصلاً مسجدوں کے امام بنانے کے لئے ترتیب دیا گیا تھا۔ اس میں اسلام کو ایک مکمل نظام حیات کی حیثیت سے انقلابی انداز میں متعارف کرانے کے بجائے اس کے صرف عبادت کے پہلو کو ترجیح دیا گیا تھا۔ چنانچہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح و طلاق کے مسائل پر پوری توجہ دی گئی اور اسلام کی انقلابی روح نظروں سے اوجھل رہی۔ نتیجۃً مدرسوں کے فارغین مجاہد، اسلام کے سپاہی، داعی اور مردِ مومن بن کر نکلنے کے بجائے مسجد کے ایسے امام بن کر نکلے جن کو مسجد کے باہر کی دنیا سے کوئی لگاؤ نہیں تھا اور جن کا اسلام مسجد کے باہر بالکل خاموش تھا۔ وہ مسجد کے اندر تو اسلام پر عمل کرتے تھے مگر مسجد کے باہر ہر نظریہ اور ہر پارٹی کا ساتھ دینے کے لئے وہ آزاد تھے۔ تنگ ذہن، محدود تعلیم اور عصری اور اسلام دشمن نظریات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے وہ ہر چیز کو عین اسلام سمجھتے رہے اور اسلام میں اس کے لئے دلیلیں ڈھونڈتے رہے۔

۲۔ طریقہ تعلیم کی خامی: جب نصاب ہی درست نہ ہو تو طریقہ تعلیم کے درست ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تاہم جو نصاب بھی تھا اس کا طریقہ تعلیم اور ناگفتہ بہ تھا۔ دار العلوم اور مدارس کے کشادہ کمروں میں بیٹھ کر الفاظ اور جملوں کا سہارا لے کر غیر مسلک احباب پر علمی بمباری کی جاتی رہی اور اس طرح اسلام جو قیامت تک کیلئے ہے اور جس کے اندر پوری کائنات کو چلانے کے لئے اصول و ضوابط بتائے گئے تھے علاقہ بے دست و پا ہو گیا اور فارغین ایک مناظرانہ اور جھگڑالو ذہن لے کر میدان میں آئے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ امت وسط اور داعی الی الخیر کی روح طلبہ کے اندر اس طرح بٹھا دی جاتی کہ اسلام کے سچے علمبردار اور رسول اکرم ﷺ کے سچے شیدائی ہو جاتے اور اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ بن جاتے۔

۳۔ بورڈنگ ہاؤس میں عدم توجہی یا نامناسب منصوبہ بندی: چھوٹے عربی مدارس کو چھوڑ کر جتنے بڑے مدارس ہیں" اور ان کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے ان میں ہاسٹل موجود ہیں اور اس میں ہزاروں بچے دور دراز سے آکر صرف دینی تعلیم و تربیت کے لئے مقیم ہیں۔ مگر وہ مدارس کی انتظامیہ کی عدم توجہی کا شکار ہیں اگر ان کی تربیت کی طرف توجہ دی جاتی اور اس کے لئے قابل عمل منصوبہ بنایا جاتا تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کی تربیت نہ ہو پاتی الا یہ کہ کسی کے اندر یہ صلاحیت ہی نہ ہوتی۔ مگر ان بورڈنگ ہاؤسز کا انتظام اور تربیت کا نظام نظام تعلیم سے بھی زیادہ خراب ہے۔ طلبہ پڑھنے لکھنے میں کم اور کھیلنے، کھانے، گھومنے پھرنے میں زیادہ وقت ضائع کرتے ہیں۔

بقیہ صفحہ ۱۱ پر

طارق ناز خلیط فلاحی

خلیفہ کا مفہوم

خدا کی اس وسیع و عریض کائنات میں اس کی عجیب و غریب مخلوقات پائی جاتی ہیں۔ خدا کی ہر تخلیق ایک عظیم شاہکار ہے جو اپنے بنانے والے کی حکمت، قدرت، جلال و جمال اور شان و شوکت پر دلالت کرتی ہے، جیسے آسمان، سورج، چاند، دریا، پہاڑ، پیڑ پودے، پھول اور پھل اور طرح طرح کے جانور اپنی شان آپ ہیں ان کا کوئی بدل و ثانی نہیں ہے، لیکن ان تمام مخلوقات سے ہٹ کر جب ہم انسان پر نظر ڈالتے ہیں تو قدرت کی صناعی، اس کی حکمت و دانائی پر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ انسان کے جسم کی بناوٹ، اس کے اعضاء و جوارح اس کی قوتیں و صلاحیتیں، اس کے سوچنے اور غور کرنے کا انداز، اس کے اندر تسخیر کائنات کی قوت تمام مخلوقات سے اعلیٰ، افضل و اکمل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام مخلوقات اس کی خادم اور یہ سب کا مخدوم ہے، تمام مخلوقات اس کی رعایا اور یہ سب کا بادشاہ ہو اور پوری کائنات اس کے لئے مسخر کر دی گئی ہو، یہ بات اتنی واضح اور کھلی ہوئی ہے کہ ایک معمولی عقل رکھنے والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے جس کے لئے کسی دلیل، حجت اور برہان کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے لئے کسی نظریہ، مذہب اور مسلک کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ ایک نقطۂ نظر سے جب ہم غور کریں گے تبھی اس نکتہ تک پہنچیں گے۔ اس پر خدا کا انکار کرنے والے، خدا کو ماننے والے، کمیونزم کے علمبردار، تو سلام کا جھنڈا لہرانے والے اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھنے والے بھی متفق ہیں اور سب اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

قرآن جو انسان کی ہر ہر قدم پر رہنمائی کرتا ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کو اس کا مقام نہ بتائے اور اس کو اس کی حیثیت سے غافل اور بے خبر رکھے؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جب بابائے انسان اور نانائے انسانیت حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کے لئے جو الفاظ استعمال کئے اور جو طرز بیان اور طرز تکلم اختیار کیا وہ خود انسان کے مقام و مرتبے کا غماز ہے اور اپنے ایجاز اور اختصار کے باوجود معانی اور مفاہیم کا ایک سمندر سمیٹے ہوئے ہے۔ خدا کے حکم پر آدم خاکی کے سامنے فرشتوں کا سجدہ ریز ہو جانا گویا اس کے سامنے پوری کائنات کا جھکنا تھا اور تمام مخلوقات عالم کے سامنے اس خاکی

انسان کے مقام و مرتبہ کو واضح کرنا تھا۔ خدا تعالیٰ نے آدم، ابلیس اور فرشتوں کے اس واقعہ کو قرآن میں کئی مقامات پر تفصیل سے بیان کیا ہے تاکہ انسان اس کو اپنے ذہن اور دل و دماغ میں بسالے اور اپنے مقام و مرتبہ سے فروتر کوئی حرکت نہ کرے۔ قرآن کی وہ شاہکار آیت آپ بھی ملاحظہ کریں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ [1]

"اور یاد کرو جبکہ تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ انھوں نے کہا کیا آپ اس میں اس کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فتنہ و فساد مچائے گا اور خون خرابہ کرے گا جبکہ ہم تیری حمد و تسبیح کرتے اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ اس نے کہا میں جانتا ہوں وہ جو تم نہیں جانتے۔"

اس آیت کے ایک ایک لفظ کو پڑھئے، یہ آیت جہاں قرآن کے اندر ادبی حیثیت سے ایک معجزہ ہے وہیں انسان پر اس کے مقام کو متعین کرنے اور اس کی ذمہ داریوں کو واضح کرنے کے لئے ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے نیز خدا اور بندوں کے درمیان تعلق کی نوعیت پر روشنی ڈالتی ہے اور خود کار کا تعین بھی کرتی ہے۔ اس آیت میں لفظ خلیفہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

خلیفۃ قرآن میں ایک اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے جو نیابت اور جانشینی دونوں طرح کے مفاہیم کا جامع ہے اور اس سے مراد ایک ایسی مخلوق ہے جو ارادے، عقل اور آزادی تینوں طرح کی قوتوں سے بہرہ مند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی فرشتوں کے کان میں یہ لفظ پڑا فوراً ان کے سامنے اس کے تمام مضمرات اور لوازمات آگئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے خدشہ کا اظہار کر دیا اور کہا کہ جب آپ ایک ایسی مخلوق بنا رہے ہیں جو سوچنے سمجھنے والی اور غور و فکر کرنے والی ہوگی اور یہ کہ وہ آزاد بھی ہوگی تو لازماً اس میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اپنی آزادی کو استعمال کرتے ہوئے نافرمانی کی روش اختیار کریں گے، نتیجۃً زمین میں خونریزی ہوگی اور زمین فتنہ و فساد سے بھر جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے اس خدشہ کی بنا پر محض علم کا حوالہ دے کر رد کیا اور پھر ان کے سامنے تا قیامت پیدا ہونے والی نسل آدم کو پیدا فرمایا اور فرشتوں کے سامنے اس کو پیش کیا اور ان سے پوچھا کہ بتاؤ یہ کون لوگ ہیں، فتنہ و فساد پھیلانے والے یا زمین میں صلح و آشتی کے پیغامبر۔ جب فرشتوں کو یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ اس میں تو انبیاء، رسل، صدیقین، شہداء بھی ہیں تو انھوں نے اپنی کم علمی

کا اعتراف کرلیا۔ سورہ اعراف آیۃ ۲۳ میں اس کا ذکر ملتا ہے [۵۲] نیز حدیث میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ [۵۳]

قرآن نے لفظ خلیفہ کو دونوں معنوں میں استعمال کیا ہے۔

نائب کی مثال قرآن کی زیر بحث آیت ہے نیز سورہ ص کی ۲۶ ویں آیت،

یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق	اے داؤد ہم نے زمین میں تم کو خلیفہ بنایا پس تم لوگوں کے درمیان حق کیساتھ فیصلہ کرو

جانشین کے مفہوم میں

فخلف من بعدھم خلف ورثوا الکتاب یاخذون عرض ھذا الادنی ویقولون سیغفر لنا [۵۴]	پھر ان کی نسلوں کے بعد کچھ ایسے ناخلف لوگ ان کے جانشین ہوئے جو کتاب الٰہی کے وارث ہو کر اسی دنیائے دنی کے نالے سمیٹتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ توقع ہے ہمیں معاف کردیا جائے گا۔ [۵۵]

واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح [۵۶]

واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عاد وبواکم فی الارض [۵۷]

لغت میں دونوں مفہوم پایا جاتا ہے

الخلیفۃ ـ بمعنی السلطان الاعظم فیجوز ان یکون فاعلا لانه (خلف) من قبله ای جاء بعده ویجوز ان یکون مفعولا لان الله تعالی جعله (خلیفة) اولانه جاء به بعد غیره کما قال تعالی (ھو الذی جعلکم خلائف فی الارض)۔

قال بعضھم ولا یقال (خلیفۃ الله) بالاضافة الا لآدم وداود لورود النص بذلك وقیل یجوز وھو القیاس لانه تعالی جعله (خلیفة) کما جعله سلطانا وقد سُمع (سلطان الله) و (جنود الله) و (حزبُ الله) [۵۸]

الخلافه :ـ النیابةُ عن الغیر ـ اما لغیبة المنوب عنه واما لموته واما لعجزه واما لتشریف المستخلف وعلی ھذا الوجه الاخیر استخلف الله اولیاءه فی الارض۔

خلافت کے معنی نیابت کے آتے ہیں خواہ منوب، جس کی نیابت کی جا رہی ہے، اس کے غیر حاضر ہونے کی وجہ سے یا اس کی موت کی وجہ سے یا معذوری کی وجہ سے یا نائب کو عزت اور شرف عطا کرنے کی وجہ سے ہو اور اسی آخری مفہوم میں اللہ تعالیٰ نے اولیاء کو زمین میں خلیفہ اور نائب بنایا ہے۔ [۵۹]

مفسرین نے بھی اسے اسی طرح استعمال کیا ہے اور اس کی تشریح کی ہے۔

خلیفہ :۔ علماء کے نزدیک اس کے دو مفہوم ہیں۔ ایک یہ کہ خلیفہ سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ اس لئے کہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں اس کے حکموں کے نفاذ کے لئے۔

دوسرا یہ کہ جنوں کے جانشین ہیں جو زمین پر پہلے آباد تھے۔ اگرچہ سیاق آیت سے خلیفہ سے مراد آدم ہیں [۶۰]

"ومعنی خلافة آدم قولان ـ احدھما انه خلیفة عن الله تعالی فی اقامة شرعه ودلائل توحیده والحکم فی خلقه وھذا قول ابن مسعود ومجاھد۔

والثانی ـ انه خلف من سلف فی الارض قبله وھذا قول ابن عباس والحسن [۶۱]

ہم یہاں مولانا امین احسن اصلاحی کی رائے قدرے تفصیل سے درج کرتے ہیں۔

"خلیفہ اس کو کہتے ہیں جو کسی کے بعد اس کے معاملات سرانجام دینے کے لئے اس کی جگہ لے، اس وجہ سے یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے زمین میں کس کا خلیفہ بنانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا، اپنا یا زمین میں بسنے والی کسی پیشرو مخلوق کا؟ ایک رائے یہ ہے کہ انسان سے پہلے زمین میں جنات آباد تھے جب انھوں نے اس میں فساد مچایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پراگندہ و منتشر کردیا اور ان کی خلافت بنی نوع انسان کے سپرد فرمائی۔ دوسری رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں خود اپنا خلیفہ مقرر کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ پہلی رائے اگرچہ بالکل بے بنیاد تو نہیں کہی جاسکتی لیکن قرآن یا تورات یا کسی تاریخ یا حدیث میں کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ انسان سے پہلے زمین میں جنات کی حکمرانی تھی۔ اس کی تائید میں اگر کوئی چیز پیش کی جاسکتی ہے تو اس کی حیثیت اشارہ و کنایہ سے زیادہ نہیں ملتی اور محض کسی اشارہ و کنایہ پر ایک حقیقت کی بنیاد رکھ دینا ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

دوسری رائے مختلف اعتبارات سے قوی معلوم ہوتی ہے۔ قرآن مجید سے انسان کی فضیلت

یہ بہت سے پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا ہے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزیں انسان کے لئے پیدا کی ہیں فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں، نیز اس کے بارے میں فرمایا کہ جو امانت آسمان و زمین اٹھانے سے قاصر رہے اس کو انسان نے اٹھایا، یہ ساری باتیں اس امر کے حق میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہو لیکن ان تمام دلائل کے باوجود ایک سوال اس رائے سے متعلق بھی پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ خلیفہ تو اس کو مقرر کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے جو غائب یا غیر حاضر ہوتا ہے، خدا تو نہ کبھی غائب ہوتا ہے نہ غیر حاضر۔ آسمان و زمین ہر جگہ اسی کی حکومت رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی پھر اس کے کسی کے خلیفہ مقرر کرنے کے کیا معنی ؟

یہ سوال ہمارے نزدیک کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خلیفہ بنانے کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو زمین کے انتظام و انصرام کے معاملہ میں کچھ اختیارات دے کر یہ دیکھے گا کہ انسان ان اختیارات کو خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے یا حماقت پکڑ کر وہ مطلق العنان بن جاتا ہے اور اپنی من مانی کرنے لگ جاتا ہے۔ یہ گویا اصل حکمران کی طرف سے ایک نائب مقرر کرنے کی شکل ہوئی اور اس نائب کے تقرر کی ضرورت یہ نہیں تھی کہ اصل حکمران کو غائب یا غیر حاضر ہونا تھا بلکہ اس نائب کو کچھ اختیار دے کر مقصود اس کی اطاعت و وفاداری کا امتحان کرنا تھا۔[12]

یہی وجہ ہے کہ علامہ احمد پرویز[13] اور مولانا وحید الدین خان[14] وغیرہ کو چھوڑ کر مفسرین کی اکثریت نے اس کا یہی مفہوم لیا ہے[15]

مفسرین کے علاوہ کچھ دوسرے علماء اور مفکرین نے بھی اس کا یہی مفہوم لیا ہے جیسے مولانا صدر الدین اصلاحی[16] صلاح عبد القادر البکری[17] الدکتور احمد رمضان احمد[18] الدکتور حسن عبد الحمید عویضہ[19] وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

حوالہ: [1] سورہ بقرہ آیت ۳۰ [2] تدبر قرآن جلد اول ص ۱۷ [3] تفہیم القرآن جلد دوم ص ۹۹ حاشیہ ۱۳۲ [4] اعراف آیت ۹۹ [5] تفہیم القرآن ص ۶۳ [6] اعراف آیت ۶۹ [7] اعراف آیت ۷۴ [8] المصباح المنیر جلد اول ص ۲۰۸ [9] ابصار ذوی التمییز ص ۵۶۲ نیز دیکھئے معجم الفاظ القرآن ص ۱۸۲، ۱۸۳، اقرب الموارد ج ۱ ص ۳۰۴، معانی القرآن للفراء جلد اول، لسان العرب ۹ ج ۹ ف [10] تفسیر اضواء القرآن ج اول ص ۱۱۹،

[11] زاد المسیر فی علم التفسیر ج اول ص ۶۰ [12] تدبر قرآن جلد اول ص ۱۱۳ - ۱۱۴
[13] لغات القرآن ج ۲ ص ۶۱۱ - ۶۱۲ - ۶۱۳ [14] الرسالہ اگست ۸۶
[15] معارف القرآن صفحہ ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، بیان القرآن (مکمل) ص ۷،
تفسیر ماجدی - ج اول ص ۶۵ - ۶۶
تفہیم القرآن - ج اول ص ۶۳ حاشیہ ۳۸
صفوۃ التفاسیر ج اول ص ۳۳
[16] اسلام ایک نظریہ ص ۱۷، چوتھا ایڈیشن
[17] القرآن و بناء الانسان ص ۵۲
[18] الخلافۃ فی حضارۃ الاسلامیہ ص ۴۷ [19] النظم الاسلامیہ ص ۱۸۶،
[20] النظم الاسلامیہ ص ۱۸۹،

(بقیہ اداریہ)

غیر تربیت یافتہ اور غیر مخلص اساتذہ کی کمی: ان تمام چیزوں میں مطلوبہ نتائج تک نہ پہنچنے کی ایک اہم بڑی وجہ غیر تربیت یافتہ، غیر مخلص اور کم تعلیم یافتہ اساتذہ ہیں۔ مدارس میں انتظام و انصرام کے ڈھانچے کچھ اس طرح بنائے گئے ہیں کہ محض ایک یا دو آدمی پورے ادارے پر قابض ہیں اور دوسروں کو نکالنا یا نچانا ان کے چشم و ابرو کے اشارے پر منحصر ہے۔ جس کی وجہ سے یا تو طاقت کے دو سو مرکز پیدا ہو گئے ہیں اور اقتدار پر قبضے کے لئے ان میں آپس میں رسہ کشی جاری ہے، اور مخلص ذہین، و ذی علم اصحاب اپنی عزت بچانے کے لئے دوسری طرف رخ کر رہے ہیں۔ بعض لوگ معاشی پریشانیوں سے تنگ آکر وقت گزاری کے لئے بھی مدارس کا رخ کرتے ہیں۔ ان کے مسائل جیسے ہی حل ہوتے ہیں، وہ مدرسوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ تنخواہ کی کمی بھی اچھے، مخلص دیانتدار اور فرض شناس اساتذہ کے درمیان حائل ہے۔ اس طرح مدارس کی تعلیمی اور تربیتی حالت برابر گرتی جا رہی ہے۔

اس تجزیے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ مدارس کے اندر خیر کے پہلو نہیں ہیں بلکہ آج اس دور میں عربی مدارس اور فرد وہی ہو گئے ہیں مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ، اخلاص نیت اور دیانتداری سے ان تمام باتوں کا جائزہ لیں اور ان کو دور کرنے کی کوشش کریں، مدت سے یہی خواہ علماء اور افراد آگے بڑھیں تو مدارس پھر دین کے قلعے بن سکتے ہیں۔ ورنہ

مرتب طاہر احمد القاسمی

مکالمۃ الصدرین

وہ تاریخی معرکۃ الآرا مکالمہ جو حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی صدر آل انڈیا جمیعۃ العلماء اسلام اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی صدر جمیعۃ العلماء ہند و دیگر اکابرین جمیعۃ العلماء ہند کے درمیان یکم محرم ۱۳۶۵ھ بمطابق ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو بمقام دیوبند ہوا۔

> ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو دیوبند میں مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب صدر جمعیت علماء اسلام اور مولانا حسین احمد مدنی صاحب، صدر جمعیت العلمائے ہند کے درمیان مطالبہ پاکستان کے موضوع پر ایک تاریخی مکالمہ ہوا تھا جس میں مولانا مدنی کے ساتھ ان کے رفقاء مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا عبدالحلیم صدیقی، مولانا عبدالحنان اور مفتی عتیق الرحمٰن بھی شریک گفتگو رہے۔ اس مکالمہ کی اہمیت کے پیش نظر مولانا شبیر احمد عثمانی کی اجازت اور نظر ثانی کے بعد اسے طاہر احمد القاسمی نے مکالمۃ الصدرین کے عنوان سے ایک کتابچے کی صورت میں شائع کر دیا تھا یہ کتابچہ اب تحریک پاکستان کے تاریخی ریکارڈ میں نہ صرف ایک مستند حوالہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے بلکہ اس دور کے علماء دیوبند کی فکر کا آئینہ دار بھی ہے۔
>
> "مجیب"

پیش لفظ ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء، وہ معرکۃ الآرا مکالمہ جو اس وقت ناظرین کے ہاتھوں میں ہے فی الحقیقت تمام مسلمانوں کے لئے ایک شمع ہدایت ہے جس سے بآسانی وہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کا استقلال کس راستہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی جو اس وقت ہندوستان کے یگانۂ روزگار علماء میں سے ہیں اور جماعت دیوبند کے مسلم اکابر میں سے ہیں ان کا تبحر علمی محتاج تشریح نہیں۔ تبحر علمی کے ساتھ ساتھ ان کی سیاسی

معلومات سونے پر سہاگہ ہے۔ حضرت علامہ عثمانی اور وفد جمیعۃ العلماء ہند کے درمیان گفت و شنید کو احقر نے قلم بند کیا اور جہاں وضاحت کی ضرورت سمجھی وہاں توسین میں عبارت کا اضافہ کر دیا اگر مکالمہ کی اصل عبارت میں امتیاز رہے۔ احقر نے مزید احتیاط یہ کی کہ حضرت علامہ عثمانی کو یہ تمام مکالمہ قلم بند کر کے حرفاً حرفاً دکھلایا، اور حضرت ممدوح نے جہاں جہاں ترمیم یا اضافہ کی ضرورت سمجھی وہ فرما دیا یہ کہنا درست ہے کہ یہ مکالمہ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب کا معجزہ ہے، خدا تعالیٰ اس کے ذریعہ سیاسی پیچیدگیوں میں الجھے ہوئے مسلمانوں کو صاف اور روشن راستہ دکھلائے اور مسلمان زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنے قومی و سیاسی پلیٹ فارم کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم کر کے دامے، درمے، قدمے، سخنے مساعی ہوں۔

گفت و شنید کی ابتداء کیسے ہوئی؟ غالباً یکم دسمبر ۱۹۴۵ء کو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی ناظم اعلیٰ جمیعۃ العلماء ہند دہلی اپنی کسی ضرورت سے دیوبند تشریف لائے تھے، اس وقت مولانا شبیر احمد عثمانی کے دولت کدہ پر بھی بغرض عیادت و مزاج پرسی حاضر ہوئے۔ دوران مزاج پرسی میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے علامہ عثمانی سے فرمایا کہ ہمیں کچھ آپ سے حالات حاضرہ پر نیاز مندانہ گزارشات کرنی ہیں۔ مسئلہ پر شرعی حیثیت سے تو ہم کیا گفتگو کرتے، یہ دور جو تو ہمارا نہیں البتہ کچھ واقعات ایسے بیان کرنے ہیں جن کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ شاید وہ آپ کے علم میں نہ آئے ہوں، ممکن ہے ان واقعات کو سن کر حضرت والا کی جو رائے قائم شدہ ہے اس میں تغیر ہو جائے۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ میں گفتگو کے لئے ہر وقت حاضر ہوں، جب دل چاہے تشریف لائیں۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ اس گفتگو میں میرے ساتھ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی ناظم ندوۃ المصنفین دہلی برادر زادہ علامہ عثمانی اور کوئی تیسرے صاحب جو مناسب ہوں شریک ہوں گے۔ اس کے بعد ۵ دسمبر ۴۵ء کو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا دہلی سے ایک خط بذریعہ ڈاک بنام علامہ عثمانی موصول ہوا جو بجنسہ درج ذیل ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا خط بنام حضرت علامہ عثمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، از ندوۃ المصنفین دہلی ، ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

ذوالمجد الکرم استاذی ، دام اللہ فیوضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، مزاج اقدس، کل دیوبند سے نو بجے صبح چل کر دہلی پہنچ گیا۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب سے شب میں گفتگو کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ جمعیۃ العلماء ہند کی ایک خصوصی مجلس مشاورت وہ جمعرات کے روز دیوبند میں بلانا چاہتے ہیں تاکہ جمعیۃ العلماء سے متعلق بعض اہم معاملات پر گفتگو ہو سکے، اس مشاورت میں غالباً حضرت مفتی صاحب و مولانا کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب بھی شرکت فرمائیں گے۔

میں نے اپنے اس معروضہ کے پیش نظر جو حضرت والا میں حاضر ہو کر پیش کیا تھا اب یہ مناسب سمجھا کہ مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب اور میں جمعرات کو شب میں پہنچیں اور جمعہ کے دن گزارشات پیش کریں اب میری یہ بھی سعی ہوگی کہ اکابر جمعیۃ العلماء بھی اس گفتگو میں حصہ لیں تو اکابر علمائے دیوبند کے سیاسی اختلاف کی گتھی میں ان شاء اللہ بہت مدد ملے گی۔ اگر میری گزارشات منظور ہو گئیں تو جمعہ کے دن آٹھ بجے یہ گفتگو آپ ہی کے دولت کدہ پر ہو جائے تو بہت بہتر باقی اپنی مشاورت تو شب میں اور باقی دوسرے وقت میں بھی ہو سکتی ہے۔ خادم محمد حفظ الرحمن کان اللہ لہ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

(اس پروگرام کے بموجب ۹ دسمبر ۱۹۴۵ء یوم یکشنبہ کو ساڑھے نو بجے (۱) حضرت مولانا حسین احمد صاحب صدر جمعیۃ العلمائے ہند (۲) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب سابق صدر جمعیۃ العلمائے ہند (۳) حضرت مولانا احمد سعید صاحب سابق ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلمائے ہند (۴) مولانا حفظ الرحمن صاحب حال ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلمائے ہند (۵) مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی (۶) مولانا عبدالحنان صاحب (۷) مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب، علامہ عثمانی کے دولت کدہ پر تشریف لائے۔ علامہ عثمانی نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ان حضرات سے ملے۔ کچھ دیر مزاج پرسی ہوتی رہی۔ عیادت کے بعد چند منٹ مجلس پر سکوت طاری رہا، یہ خاموشی غالباً اس لئے تھی کہ کون ابتدا کرے اور کس نوعیت سے مسئلہ پر گفتگو کا آغاز ہو۔

چونکہ علامہ عثمانی کو ابتدا کرنا مقصود نہ تھا اور یہ حضرات خود تشریف لائے تھے اس لئے علامہ ذرا بھی خاموش رہے، آخر مولانا حفظ الرحمن صاحب نے مسائل حاضرہ پر گفتگو کی ابتدا کی اور ایک طویل تقریر فرمائی جو تقریباً پون گھنٹہ جاری رہی۔ علامہ عثمانی برابر اس تقریر کو بغور سنتے رہے۔ جب وہ تقریر فرما چکے تو علامہ عثمانی نے فرمایا کہ مجھے پورے الفاظ اور اجزاء تو آپ کی لمبی چوڑی گفتگو کے محفوظ نہیں رہے البتہ جو تلخیص میرے ذہن میں آئی ہے اس کے متعلق جو بات بالحاظ ترتیب عرض کروں گا

اگر کوئی ضروری بات رہ جائے تو آپ یاد دلا کر اس کا جواب مجھ سے لے سکتے ہیں۔

اس گفت و شنید کا سلسلہ سوا تین گھنٹہ مسلسل جاری رہا، اس میں گفتگو کا سب سے زیادہ حصہ مولانا حفظ الرحمن صاحب لیتے رہے، دوسرے درجہ میں مولانا احمد سعید صاحب ان کے شریک رہے کبھی کبھی اور صاحب بھی کچھ بول پڑتے تھے۔ لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے جو مزاج پرسی کے بعد سکوت اختیار فرمایا وہ ختم مجلس تک ختم نہیں ہوا۔ کسی موقعہ پر بھی ایک حرف نہیں بولے۔

علامہ عثمانی کو اس طویل سکوت پر خود حیرت تھی وہ بحث میں تو کیا حصہ لیتے اشارۃً کنایۃً بھی کسی موضوع پر اثباتاً یا نفیاً کسی طرح کا اظہار خیال نہیں فرمایا۔ آخر مجلس میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کچھ بولے جو تقریباً دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہ تھا۔

مولانا حفظ الرحمن صاحب کی تقریر کا خلاصہ مولانا حفظ الرحمن صاحب کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ کلکتہ میں جمعیۃ العلمائے اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایماء سے قائم ہوئی ہے۔ مولانا آزاد سبحانی جمعیۃ العلماء اسلام کے سلسلہ میں دہلی آئے اور حکیم رحمٰن صاحب کے یہاں قیام کیا جن کی نسبت عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ سرکاری آدمی ہیں۔ مولانا آزاد سبحانی صاحب اسی قیام کے دوران میں پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک مسلمان اعلیٰ عہدہ دار سے جن کا نام بھی قریب قریب شبہ کے ساتھ بتلایا گیا، ملے اور مولانا آزاد نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ہم جمعیۃ العلمائے ہند کے اقتدار کو توڑنے کے لئے ایک علماء کی جمعیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ گفتگو کے بعد طے ہوا کہ گورنمنٹ ان کو کافی امداد اس مقصد کے لئے دے گی چنانچہ ایک بیش قرار رقم اس کے لئے منظور کر دی گئی اور اس کی ایک قسط مولانا آزاد سبحانی صاحب کے حوالے بھی کر دی گئی، اس روپیہ سے کلکتہ میں کام شروع کیا گیا۔ مولوی حفظ الرحمن صاحب نے کہا کہ یہ اس قدر یقینی روایت ہے کہ اگر آپ اطمینان فرمانا چاہیں تو ہم اطمینان کرا سکتے ہیں۔ چنانچہ مولانا آزاد سبحانی صاحب نے اس کے بعد کلکتہ میں جلسہ کیا۔ جلسہ میں انہوں نے جو کچھ کہا وہ سب کی سب آپ کے علم میں ہے، ان کی تلون مزاجی بھی سب کو معلوم ہے، ایک زمانہ میں وہ گاندھی کے ساتھ سایہ کی طرح رہتے تھے۔ پھر کچھ دنوں بعد ان کے خلاف ہو گئے۔ بہر حال اس سلسلہ کا تو خاتمہ ہو گیا اور ایک بندہ اس کی جگہ لگا جس نے گورنمنٹ کو ایک نوٹ لکھا جس میں دکھلایا گیا کہ ایسے لوگوں یا انجمنوں پر حکومت کا روپیہ صرف کرنا بالکل بے سود ہے، اس پر آئندہ کے لئے امداد بند ہو گئی۔ اس ضمن میں مولانا حفظ الرحمن صاحب نے کہا کہ مولانا

الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی جماعت کو بھی ابتداءً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہوگیا۔ اس کے بعد مولوی حفظ الرحمٰن صاحب نے پاکستان کی صورت میں جو نقصانات ان کے نزدیک تھے وہ بڑی بسط کے ساتھ بیان کئے اور دکھایا کہ مسلمانوں کے لئے نظریۂ پاکستان سراسر مُضر ہے۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ نے کلام اس قدر طویل کر دیا ہے کہ نمبروار ہر ایک چیز کا جواب دینا مشکل ہے میں حتی المقدور جو کچھ یاد رکھ سکا ہوں ان کے جوابات دوں گا۔ اگر کسی چیز کو بھول جاؤں تو آپ مجھے یاد دلا کر اس کا جواب لے لیں۔

علامہ عثمانی کا جواب پہلے میں اس روایت کی طرف گفتگو شروع کرتا ہوں، جو روایت آپ نے بیان کی ہے۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں نہ تکذیب۔ ممکن ہے آپ سچ کہتے ہوں۔ مجھے اس سے پہلے بذریعہ ایک گمنام خط کے جو دہلی سے ڈالا گیا تھا یہی بتلایا گیا تھا اور مجھے بھی اس خط میں دھمکی دی گئی تھی۔ یہ روایت صحیح ہو یا غلط بہرحال میرے علم میں آچکی ہے لیکن اس روایت سے مجھ پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ اور میری رائے کیا متاثر ہو سکتی ہے۔ میں نے جو رائے پاکستان وغیرہ کے متعلق قائم کی ہے وہ بالکل خلوص پر مبنی ہے۔
جمعیت العلمائے اسلام میں آزاد سبحانی رہیں یا نہ رہیں جمعیت العلماء اسلام خود قائم رہے یا نہ رہے میری رائے جب بھی یہی رہے گی کہ مسلمانوں کے لئے پاکستان مفید ہے۔ اگر میں تھوڑی دیر کے لئے یہ روایت تسلیم بھی کر لوں کہ جمعیت العلماء اسلام گورنمنٹ کے روپے سے قائم ہوئی ہے تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کانگریس کی بنیاد کس نے کی تھی اور کس طرح ہوئی تھی؟ آپ کو معلوم ہے، ابتداءً اس کا قیام ایک وائسرائے کے اشارہ پر ہوا۔ اور برسوں وہ گورنمنٹ کی وفاداری کے راگ الاپتی رہی ہے۔ غرض تمام بہت سی چیزوں کی ابتداء غلط ہوتی ہے مگر انجام میں بسا اوقات وہی چیز مستقل ہو جایا کرتی ہے۔ ہم نے مولانا آزاد سبحانی یا جمعیت العلمائے اسلام کی وجہ سے مسلم لیگ کی تائید نہیں کی بلکہ دیانتاً یہ رائے قائم کی ہے کہ مسلمانوں کا ایک مرکز، ایک پلیٹ فارم ہونا چاہئے اور علمائے ملت کو اس کی پشت پناہی اور اصلاح میں جدوجہد کرنی چاہئے۔ عام دستور ہے کہ جب کوئی شخص کسی سیاسی جماعت یا تحریک کا مخالف ہو تو اسی قسم کی باتیں اس کے حق میں تشہیر کی جاتی ہیں۔ دیکھئے مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اور آپ کے مسلم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپیہ ماہوار حکومت

کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہیں تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس کا شبہ بھی نہ گزرتا تھا۔ اب اسی طرح اگر حکومت مجھے یا کسی شخص کو استعمال کرے مگر اس کو یہ علم نہ ہو کہ اسے استعمال کیا جا رہا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ شرعاً عند اللہ ماخوذ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد علامہ عثمانی نے اشارہ کر کے فرمایا کہ ان مولوی عتیق الرحمٰن صاحب سے آپ پوچھئے کہ حکومت دار العلوم کے سلسلہ میں دیوبند کے بعض پارٹی باز اشخاص نے ان کے سامنے بایں الفاظ میں کہا یا نہیں کہا تھا کہ دار العلوم کے دفتر میں ہم اپنی آنکھوں سے وہ چٹھی دیکھ کر آئے ہیں جس کے ذریعہ مولانا مدنی کو شبیر احمد عثمانی نے گرفتار کرایا ہے۔ (لعنۃ اللہ علی الکاذبین) لیکن میں پوچھتا ہوں کیا اس میں ذرا بھی کوئی اصلیت ہے۔ اس پر مولوی عتیق الرحمٰن صاحب نے آنکھیں نیچی کر لیں اور خاموش ہو رہے۔ اس کے بعد علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ حضرات کے متعلق بھی عام طور پر مشہور کیا جاتا ہے کہ آپ ہندوؤں سے روپیہ لے کر کھا رہے ہیں کیا یہ صحیح چیزیں ہیں۔ اب ہمیں ان سب قصوں سے علیحدہ ہو کر غور کرنا چاہئے کہ کون سا راستہ اختیار کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہے اور کس راستہ میں ان کا نقصان قطع نظر اس سے کہ وہ بات انگریز کے ایجنٹ کی زبان سے نکلے یا کوئی ہندو کا دلال کہے۔ (مرتب)

لہٰذا اب میں مزید گفتگو سے پہلے تین چیزیں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

گفتگو کا محور پہلی چیز دریافت طلب یہ ہے کہ جو فارمولا جمعیت العلماء ہند نے پاکستان کا نعم البدل ظاہر کر کے ملک کے سامنے پیش کیا اور جس کا حوالہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی تقریر میں بھی دیا ہے اس فارمولا کو کیا کانگریس نے منظور کیا ہے یا نہیں؟

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اس کا جواب نفی میں دیتے ہوئے کچھ اعذار بیان کئے۔ علامہ عثمانی صاحب کو چونکہ ان اعذارات سے کچھ بحث نہیں تھی اس لئے فرمایا کہ عذر کچھ بھی ہوں میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا فارمولا کانگریس نے تسلیم کر لیا ہے یا نہیں۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ ہمارا یہ اصول نہیں ہے کہ ہم جنگ آزادی کی شرط کے طور پر ہندوؤں سے کوئی چیز منوا لیں۔

(۲) دوسری بات یہ کہنا ہے کہ آپ جو کچھ گفتگو اس وقت مجھ سے فرمانا چاہتے ہیں وہ کس نقطہ پر ہے آیا یہ فرض کر کے ہوگی کہ انگریز حکومت ہندوستان سے چلی گئی ہے یا جا رہی ہے یا یہ مان کر ابھی وہ موجود ہے اور سر دست جا نہیں رہی اگرچہ جو کچھ لیا ہے اسی سے لیا ہے۔

مولانا حفظ الرحمن صاحب نے فرمایا کہ یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ انگریزی حکومت ابھی ہندوستان میں موجود ہے اسی کی موجودگی کو تسلیم کرتے ہوئے جو کچھ لینا ہے اسی سے لینا ہے۔

(۳) تیسری بات دریافت طلب یہ ہے کہ آپ حضرات جو انقلاب اس وقت چاہتے ہیں وہ فوجی انقلاب ہے یا آئینی۔ اس کا جواب دیا گیا کہ فوجی انقلاب کا تو اس وقت کوئی موقع ہی نہیں، نہ فی الحال اس کا امکان ہے نہ اس کے وسائل مہیا ہیں۔ اس وقت تو آئینی انقلاب ہی زیر بحث ہے۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ بس اب بحث کا رخ متعین ہو گیا اب کلام اس میں رہے گا کہ موجودہ انگریزی حکومت کی موجودگی کے باوجود آئینی انقلاب میں کون سا راستہ مسلمانوں کے لئے مفید ہے۔ آیا وہ راستہ جو جمعیۃ العلماء ہند نے تجویز کیا ہے یا پاکستان کا راستہ جو مسلم لیگ اختیار کر رہی ہے۔

پاکستان کے نقصانات کا اظہار

مولانا حفظ الرحمن صاحب نے اپنی طویل تقریر میں فرمایا کہ پاکستان قائم ہونے میں مسلمانوں کا سراسر نقصان اور ہندوؤں کا فائدہ ہے۔ بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت ۵۳ فی صدی ہے، فلاں صوبہ میں اس قدر، فلاں میں اتنی، اور آسام میں اکثریت دوسروں کی ہے۔ ہر جگہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں غیر مسلم اقلیت اتنی زبردست ہے کہ مسلمان اس سے کسی طرح بھی عہدہ برآ نہ ہو سکیں گے۔ اور بہت ہی تھوڑی اکثریت کچھ نہ کر سکے گی بلکہ ہمیشہ معرض خطر میں رہے گی۔ ادھر مسٹر جناح یہ کہہ بھی چکے ہیں کہ پاکستان میں جمہوری طرز کی حکومت ہوگی۔ ایسی شکل میں ظاہر ہے مسلمانوں کو پاکستان سے کوئی بھی فائدہ نہ ہوگا بلکہ تنظیم، دولت اور تعلیم وغیرہ میں بہت پیچھے رہنے کی وجہ سے ترپن فیصدی مسلمانوں کی اکثریت سینتالیس فیصدی غیر مسلم اقلیت ہی کے حلقہ اثر میں محکوم رہے گی۔ سکھ نہایت جنگجو قوم ہے وہ کسی طرح بھی پاکستان قائم نہ ہونے دے گی۔ ادھر جاٹوں کی قوم ہے وہ بھی مسلمانوں کو چین سے نہ بیٹھنے دے گی۔

اس موقع پر علامہ عثمانی نے پوچھا کہ کیا آپ کے نزدیک پاکستان کا مطالبہ کرنے والے صوبہ وار چھ پاکستان بنانا چاہتے ہیں یا تمام مسلم اکثریت والے صوبوں کا ایک پاکستان مطلوب ہے؟ جواب دیا گیا کہ نہیں پاکستان تو ایک ہی بنانا چاہتے ہیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا تب صوبہ واری حد بندی کی گفتگو اس موقع پر بیکار ہے۔

مولانا عثمانی نے فرمایا تو اس وقت ہم کو پاکستان کی مرکزی حکومت میں یہ دیکھنا چاہئے کہ مسلم اور غیر مسلم آبادی میں کیا تناسب ہے۔ مولانا حفظ الرحمن کی طرف سے کہا گیا کہ پاکستان میں مجموعی تعداد مسلمانوں کی چھ کروڑ ہوگی اور غیر مسلم تین کروڑ رہیں گے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ تعداد غلط ہے۔ مجموعہ میں مسلمان تقریباً ساڑھے سات

کروڑ ہیں۔ لیکن ہم سات کروڑ تسلیم کئے لیتے ہیں۔ اور غیر مسلم جو تین کروڑ ہیں اگر ان کو بھی تین کروڑ ہی کر لیا جائے۔ اس تعداد سے سات اور تین کی نسبت مسلم اور غیر مسلم کے درمیان ہوگی اور مجموعہ آبادی میں آپ کے فارمولے کے مطابق ساٹھ اور چالیس کی نسبت ہوگی یعنی مسلمان ساٹھ فیصدی اور غیر مسلم چالیس فیصدی ہوں گے (حالانکہ اس صورت میں مجموعہ میں مسلمان واقعتاً ستر فیصدی اور غیر مسلم تیس فیصدی ہوتے ہیں۔)

علامہ عثمانی کی سیاسی معلومات دیکھ کر سب دنگ رہ گئے

حضرت علامہ کا مسلک اور حقیقت افروز جواب

مگر علامہ عثمانی نے اس وقت سے بھی اغماض کر کے اور ان کے ہی بیان کردہ تناسب کو مان کر اس پر کلام فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ اب آپ اپنے ہی فارمولا پر نظر ڈالئے کہ اس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا مرکزی حکومت میں کیا تناسب رکھا ہے تو آپ کے فارمولا کی رو سے مرکز میں چالیس مسلمان ہوں گے اور چالیس ہندو اور بیس فیصدی میں دیگر اقلیتیں ہوں گی۔ اس طرح سے آپ کے فارمولا کے لحاظ سے غیر مسلموں کی تعداد ساٹھ فیصدی اور مسلمانوں کی صرف چالیس فیصدی ہوئی اور مسلم لیگ کے پاکستانی فارمولا میں بقول آپ کے یہی نسبت بالعکس رہے گی یعنی ساٹھ فیصدی مسلمان اور چالیس فیصدی غیر مسلم ہوں گے۔ حالانکہ حقیقی تناسب پاکستانی فارمولا میں ستر فیصدی اور تیس فیصدی کا ہوتا ہے۔ اب آپ ہی انصاف سے فرمائیے کہ آپ کے اس فارمولا سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا۔ ہم اگر ساٹھ فیصدی رہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتے تو چالیس فیصدی میں کیا کر سکیں گے؟

(نوٹ: جمعیۃ العلماء کے فارمولا میں یہ بھی درج ہے کہ کسی خالص اسلامی مسائل میں دو تہائی مسلمان اگر کسی چیز کے مخالف ہوں گے تو وہ چیز مسلمانوں کے لئے قبول نہیں کی جائے گی۔ اس شرط میں کسی درجہ میں مضرات کا تدارک تو ہو سکتا ہے لیکن باقی مسلمانوں کے حق میں جو ضروری اور مفید امور ہوں ان کے خاطر خواہ حاصل ہونے کی کوئی تدبیر نہیں کیونکہ مرکز میں مسلم تعداد چالیس اور غیر مسلم تعداد ساٹھ فیصدی ہوگی۔ ایسی تمام تجاویز غیر مسلم اکثریت کی رحم و کرم پر رہیں گی اور یہ معاملہ بھی کہ خالص اسلامی مسئلہ کون سا ہے اکثریت ہی فیصلہ کرے گی۔)

اس موقع پر کہا گیا کہ صوبے ہمارے ساتھ ہوں گے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے کہ جب پاکستان کا نام ہمارے سامنے آ گیا ہے تو صوبائی مسلمانوں سے علیحدہ غیر مسلم [illegible] کہا جاتا ہے اور

جناح کبھی انگریز کا ایجنٹ نہیں بن سکتا، اسے کوئی دبا سکتا ہے نہ خرید سکتا ہے

جب جمعیۃ العلماء ہند کا مقصد سامنا مولانا پیش کیا جاتا ہے تو وہی عیسائی گویا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں اور مسلمانوں کے سائیڈ میں شمار کئے جانے لگے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ غیر مسلم سب کے سب بہر صورت ایک ہی شمار ہوں گے (الکفر ملت واحدۃ) اور خالص مسلمانوں کو ان سب کے مقابل رکھ کر مسئلہ پر غور کرنا چاہیے، وفد جمعیۃ العلماء نے آخر کار اس کو تسلیم کر لیا۔

اگر پاکستان ہندوؤں کے لئے مفید ہے تو وہ اس کی مخالفت کیلئے اس قدر مضطرب کیوں ہیں

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ کا یہ دعویٰ کہ پاکستان قائم ہونے میں سراسر مسلمانوں کا نقصان اور ہندوؤں کا فائدہ ہے، اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو کیا آپ باور کر سکتے ہیں کہ ہندو پاکستان کی مخالفت محض اس لئے کر رہا ہے کہ اس میں مسلمانوں کا نقصان ہے اور وہ کسی طرح بھی مسلمانوں کا نقصان دیکھنے کو تیار نہیں۔ ان کا تو اعلان یہ ہے کہ جو جماعت یا جو شخص بھی پاکستان اور مسلم لیگ کے خلاف کھڑا ہوگا کانگریس اس کی ہر طرح مدد کرے گی۔

اس وعدہ کا تعلق کسی شخص خاص سے نہیں کانگریس کے پورے ادارے سے ہے۔ اور ان کا قول ہے کہ پاکستان ہماری لاشوں پر ہی بن سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ آخر یہ پوری قوت اور انتہائی مخالفت کیوں ہے؟ اس کے جواب میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ ان کی کوئی مصلحت ہوگی۔ لیکن اس کا کوئی معقول جواب نہیں دیا گیا اور بار بار اس پہلو سے گریز کیا جاتا رہا۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اس کی جو کچھ بھی مصلحت ہو آخر آپ حضرات نے بھی کچھ غور کیا کہ وہ مصلحت کیا ہو سکتی ہے۔ میرے نزدیک تو اس کی مخالفت کی وجہ بجز اس کے کچھ اور نہیں کہ انگریزی حکومت تو سردست اور قائم ہے جسے آپ خود شرمناک تسلیم کر چکے ہیں۔ ہندو یہ چاہتا ہے کہ انگریزی حکومت کے زیر سایہ دس کروڑ مسلمانوں میں سے ایک شخص کی گردن پر سے بھی ہندو اکثریت کا جوا کبھی اور کہیں اترنے نہ پائے۔ اس طرح مسلمان ہمیشہ انگریز اور ہندو کی ڈبل غلامی میں باختیار خود پستے رہیں۔ علامہ عثمانی نے کئی بار اسی چیز کو ان لوگوں سے پوچھا مگر اُدھر سے کوئی شافی جواب ہاتھ نہ آیا۔ اسکے بعد

جمعیۃ العلماء ہند کے وفد کی طرف سے کہا گیا کہ اچھا اگر پاکستان بن جائے تو تین کروڑ مسلم اقلیت ہندو صوبوں میں رہ جائے گی اس کی حفاظت کا کیا انتظام ہوگا۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ ان کے لئے معاہدات کے ماتحت مسلم اقلیت ان کے یہاں اور ہندو اقلیت ہمارے یہاں رہے گی اور ہر ایک کا ہاتھ دوسرے کے تلے دبا رہے گا۔ آخر متحدہ ہندوستان میں دس کروڑ مسلمانوں کی حفاظت کس طرح ہوگی۔ اس کے بعد مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب نے موضوع گفتگو بدل کر کہا۔

ابھی حضرت، یہ علی گڑھ کے نیچری علماء کے وقار کے دشمن ہیں، یہ لوگ اگر مسلمانوں کے رہنما بن گئے تو دین کو برباد کر دیں گے، علماء کو مٹا دیں گے۔ اسی سلسلہ میں ان بدتمیزیوں کا بھی ذکر کیا گیا جو بعض مقامات میں مولانا حسین احمد صاحب کے ساتھ کی گئی تھیں۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی کہا کہ مسلم لیگ راجاؤں، نوابوں، خطاب یافتہ لوگوں کی جماعت ہے۔ سر فیروز خان نون کے متعلق فرمایا کہ وہ حکومت کے اشارہ سے مستعفی ہو کر مسلم لیگ میں داخل ہوئے ہیں اور وہ پکے طور پر سرکاری آدمی ہیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ سر فیروز خان نون کے متعلق میں بحث نہیں کرتا آپ جو چاہیں کہیں لیکن مسٹر جناح کے متعلق کبھی میرا یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ سرکاری آدمی ہیں یا وہ کسی دباؤ یا لالچ میں آ سکتے ہیں یا کسی قیمت پر خریدے جا سکتے ہیں۔

مولانا احمد سعید صاحب کے اس کہنے پر کہ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ اور دوسرے بعض فرقے علماء کا اقتدار مٹانا اور دین کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ علامہ عثمانی نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو مشکلات ہوئیں، ان کا حل آپ کے ذہن میں کیا ہے وہ بھی تو فرمایئے۔ اس پر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور کچھ خاموشی سی طاری ہو گئی۔ پھر وفد کی طرف سے کہا گیا کہ حضرت آپ ہی فرمائیں کیا حل ہے۔ حضرت علامہ نے فرمایا کہ یہ خوب رہی، مشکلات تو بیان فرمائیں آپ اور حل بتلاؤں میں۔ آخر آپ نے بھی تو کچھ اس کا حل سوچا ہوگا۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اچھا لیجئے میں ہی اس کا حل عرض کرتا ہوں، میرے نزدیک اس کا حل صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ آپ سب حضرات مل کر مسلم لیگ میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لیں اور ایک دو مہینے دورہ کر کے تین چار لاکھ دو آنے والے ممبر مسلم لیگ کے بھرتی کرا لیں۔ جب ہمارے ہم خیال ممبران کی غالب تعداد مسلم لیگ میں داخل ہو جائے گی تو پھر ہم عوام کے ذریعہ سے جو مفید صورت مسلمانوں کے لئے ہوگی آسانی سے بروئے کار لا سکیں گے۔ کیا ہمارا اثر عوام پر اتنا بھی نہیں ہے کہ ہم دو چار لاکھ ممبران بھرتی کرا سکیں۔ میں اس کے لئے تیار ہوں کہ آپ حضرات کے ساتھ مل کر اس کام میں حصہ لوں۔ میرے نزدیک تو اصلاح کی یہی بہترین شکل ہے۔

انگریز کہتا کچھ ہے اور کرتا کچھ ہے۔ آپکے نزدیک اس کا ایک قول معتبر ہے تو دوسرا متضاد قول کیوں قابل اعتبار نہیں؟ علامہ عثمانی کا سوال

اس پر مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا کہ یہ تو صحیح لیکن جب ہم لوگ ایسا کریں گے تو یہ بڑے بڑے نواب اور سردار مسلم لیگ سے علیحدہ ہو کر دوسری مسلم لیگ بنا لیں گے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا اگر وہ نئی مسلم لیگ بنا لیں گے تو اس سے کیا ہوگا، عوام کی طاقت تو ہمارے ہی ساتھ ہوگی۔ سر شفیع مرحوم نے بھی تو ایک زمانہ میں شفیع لیگ بنائی تھی لیکن اس کا حشر کیا ہوا جب شفیع صاحب رحلت کر گئے انہی کے ساتھ ان کی لیگ بھی ختم ہو گئی اور ایسا عوام وہ کبھی بھی پیدا نہ کر سکے۔

رہا ان بدتمیزیوں کا تعلق جو آپ کے ساتھ ہوئیں اس کے متعلق آپ کو معلوم ہے کہ میں نے جو پیغام جمعیت العلماء اسلام کے اجلاس کلکتہ کے موقع پر بھیجا تھا اس میں صاف طور سے لکھ دیا کہ یہ پرلے درجے کی شقاوت و حماقت ہے کہ قائد اعظم کو کافر اعظم کہا جائے یا مولانا حسین احمد وغیرہ کے ساتھ کوئی ناشائستہ سلوک کیا جائے۔

اس موقع پر مجھے ایک بات کہنی پڑتی ہے وہ یہ کہ جن انگریزی خواں طلباء کے رویہ کی آپ شکایت کر رہے ہیں وہ نہ تو آپ کے مرید ہیں نہ شاگرد۔ نہ انھوں نے کسی دینی ماحول میں تربیت پائی ہے اور سمجھتے ہیں کہ آپ مسلم قوم کو ہندوؤں کی دائمی غلامی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں، اس کے بالمقابل جو عربی مدارس کے طلباء آپ کے شاگرد آپ کے مرید اور دینی ماحول بلکہ مرکز دین و اخلاق میں تربیت پانے والے ہیں، ذرا اُدھر بھی تو دیکھئے کہ انھوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ دار العلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندی گالیاں اور فحش اشتہارات اور کارٹون ہمارے متعلق چسپاں کئے جن میں ہم کو ابوجہل تک کہا گیا اور ہمارا جنازہ نکالا گیا، آپ حضرات نے اس کا بھی کوئی تدارک کیا تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت دار العلوم کے تمام مدرسین مہتمم، دو علمی جمعیت بہ استثناء ایک دو کے، بالواسطہ یا بلاواسطہ مجھ سے نسبت تلمذ رکھتے تھے، دار العلوم کے طلباء نے میرے قتل تک کے حلف اٹھائے اور وہ وہ فحش اور گندے مضامین میرے دروازہ میں پھینکے کہ اگر ہماری ماں بہنوں کی نظر پڑ جاتی تو ہماری آنکھیں شرم سے جھک جاتیں۔ کیا آپ میں سے کسی نے بھی اس پر ملامت کا کوئی جملہ کہا بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ بہت سے لوگ ان کمینہ حرکات پر خوش ہوتے تھے۔

حرکت بہت افسوسناک تھی جو میری ذات پر نہایت رکیک حملے کئے گئے، کیا آپ حضرات میں سے کسی نے اس پر بیزاری کا اظہار کیا۔ یہ سن کر سب کی آنکھیں شرم سے جھک گئیں۔ مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا کہ آج حضرت عزیز حسن نعمانی تو ہمیشہ اسی قسم کی بیہودہ بکواس کیا کرتا ہے کیا آپ کو معلوم نہیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا اس وقت تو وہ آپ کی حمایت اور جمعیۃ میں سب کچھ کہہ رہا ہے، اگر مجھے بھی معلوم ہے کہ ایک زمانہ میں اس نے آپ صاحبان کو بھی بری طرح مجروح کیا تھا لیکن دکھلانا صرف یہ ہے کہ آپ حضرات نے کبھی اس قسم کی چیزوں سے جو ہمارے متعلق کی گئیں اظہار بیزاری نہیں کیا نہ کسی پر ملامت کی۔ ہم نے تو جہاں کہیں موقع ملا ہے ایسے امور سے پوری قوت کے ساتھ اظہار بیزاری کرتے رہے۔

محلہ کسرول مراد آباد کے ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ کیا مولانا حسین احمد صاحب و مفتی کفایت اللہ صاحب آپ کے نزدیک محض ذاتی مفاد کے لئے ہندوؤں کا ساتھ دے رہے ہیں یا ان کا اجتہاد ہے دینی اور غیر ہے یا وہ اپنے اساتذہ کے مسلک سے ہٹ گئے ہیں؟ میں نے جواب میں لکھا کہ میرے حاشیہ خیال میں بھی یہ نہیں آسکتا کہ یہ حضرات محض ذاتی مفاد کے لئے ایسا کر رہے ہیں وہ اپنے نزدیک جو حق سمجھتے ہیں کر رہے ہیں اور اسی کو اپنے اساتذہ کا مسلک سمجھتے ہیں۔ باقی یہ لازم نہیں کہ جو ان کا خیال ہے وہ واقع میں صحیح ہو تو ان کی تقلید دوسروں پر واجب ہے۔ امور مذکورہ کا تذکرہ میں نے اس لئے نہیں کیا کہ مجھے کوئی انتقام لینا مقصود ہے، وہ تو بہرصورت پیش آ اور گویا سمجھتا ہوں۔ دکھلانا صرف یہ ہے کہ ہم نے اپنی بساط کے موافق اس قسم کے امور کو روکنے کی جدوجہد سی کی۔

مولانا مدنی کا ایک استدلال اور اسکا مسکت جواب

اسی گفتگو میں مولانا حسین احمد صاحب نے جیب سے دو تین کالم کا ایک مضمون نکال کر تقریباً آٹھ دس منٹ تک پڑھ کر سنایا، یہ مضمون ایک انگریزی تجویز اور اس پر مشتمل تھا جس میں ہندوستان کی سیاسیات پر بحث کر کے حکومت برطانیہ کو اس کا ایک حل بتلایا تھا۔ اس مضمون میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اور دہلی کے بجائے کراچی کو تجارت کا مرکز بنایا جائے گویا اس مضمون کو سنانے کی غرض یہ تھی کہ مسلم لیگ نے جو نظریہ پاکستان پیش کیا ہے وہ اس انگریزی تجویز پر مبنی ہے اور مسلم لیگ انگریزوں کے اشاروں پر چلنے والی جماعت ہے۔

مولانا احمد سعید صاحب نے سوال کیا کہ انگریزی پالیسی ظاہر کرنے کی یہ پیچ کرنے کی بھی اس کا

جس اسمبلی میں ۶۰ فیصد غیر مسلم ارکان بیٹھے ہوں وہاں مسلمانوں کے حق میں کوئی فیصلہ کیسے ہوگا

فائدہ کس جانب ہے۔ مطلب یہ تھا کہ ہم جو ذاتی حکومت چاہتے ہیں انگریز کے نزدیک ہے اور آپ جو تقسیم ہند چاہتے ہیں یہ صورت حکومت کے لئے مفید نہیں ہے۔ علامہ عثمانی نے ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک آپ کے سوال کا جواب نہیں ہو سکتا۔ یعنی آپ کے سوال کے جواب میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انگریز کا فائدہ ہند کو ٹکڑے کرنے میں ہے یا نہیں۔ میرا جواب یہ ہے کہ کبھی انگریز کا فائدہ ٹکڑے کرنے میں ہے اور کبھی جمع کرنے میں ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی ایک مثال نظیر ملاحظہ فرمائیے، برطانیہ نے ترکی اور عرب کے ٹکڑے ٹکڑے کئے، عراق، شام، لبنان، نجد، یمن سب کو علیحدہ علیحدہ حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک وقت میں پالیسی یہ تھی، اب جو عرب لیگ قائم ہو رہی ہے جس میں تمام عربوں کو روس کے خطرہ سے انگریز متحد کرنا اور ان سب کا ایک بلاک بنانا چاہتا ہے، کیا یہ بھی آپ کے نزدیک انگریز کے اشارہ سے نہیں ہو رہا جس کا منشاء یہ ہے کہ تمام عرب ممالک کو ایک ہی ڈوری میں باندھ دیا جائے۔

اس کو وفد نے تسلیم کیا کہ بیشک۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ پھر یہ کہنا صحیح نہیں کہ انگریز کی پالیسی ہمیشہ ٹکڑے کرنا ہے معلوم ہوا کہ کبھی اس کی پالیسی جمع کرنے کی بھی ہوتی ہے۔ اب ہمیں تو یہ سوچنا چاہیے کہ ہمارا اپنا کس صورت میں فائدہ ہے خواہ اس میں حکومت کا فائدہ ہو یا نقصان۔ ظاہر ہے کہ ہندو یا مسلمان کسی کے مقابلہ میں بھی گورنمنٹ اپنے مفاد کو بے اختیار خود نظر انداز نہیں کر سکتی۔

اس کے بعد علامہ عثمانی نے فرمایا کہ مولانا حسین احمد صاحب نے جو ایک انگریز کا مضمون پڑھ کر سنایا یہ ایک انگریز کی شخصی رائے اور تجویز ہے جو اب سے چودہ برس پہلے اسے پیش کی گئی تھی۔ لیکن حکومت برطانیہ کا سب سے بڑا نمائندہ وائسرائے ہند لارڈ ویول جو ہندوستان پر اس وقت حکمران ہے اس نے اپنی تقریروں میں برملا یہ کہا کہ اس ملک کا مرکز اور اس کی حکومت ایک ہی رہنی چاہئے۔ اس ملک پر کوئی دوسری چیز نہیں ہو سکتی پہلی مرتبہ یہ تقریر کلکتہ کے کلب میں جا کر کی، دوسری مرتبہ مجلس چیمبر میں یہی مضمون ادا کیا اور ابھی دو تین ماہ ہوئے کہ دہلی کے دربار میں لارڈ ویول نے یہی کہا کہ اس ملک کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اس سے پہلے سابق وائسرائے لارڈ لنلتھگو نے بھی ۴۲ء میں اس قسم کی تقریر کی تھی اب آپ حضرات غور فرمائیں کہ آج وائسرائے ہند کے نظریہ کی حمایت کانگرس کر رہی ہے یا مسلم لیگ۔

اس موقع پر مولانا عثمانی سے کہا گیا کہ آپ کے بیانات نے پورے ملک میں ہل چل ڈال دی

مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا کہ جی حضرت یہ تو انگریزوں کی چالیں ہیں کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ انگریز کی تجویز میں بھی تو یہی خیال ہو سکتا ہے۔ لیکن جمعیت کے دورہ میں تو بڑے وعدہ داری کا قانون تو پیش کر سکتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں مولانا حسین احمد صاحب نے فرمایا کہ اچھا اگر پاکستان قائم ہو گیا تو ہندوستان کا دفاع کیسے ہو سکے گا، روس نے اگر حملہ کر دیا تو سرحد کے مسلمان بیچارے پس جائیں گے، سارا بوجھ ان پر پڑ جائے گا۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ تو آپ مان چکے ہیں کہ انگریز ابھی یہاں موجود ہے، سر دست اگر پاکستان بنائے گا تو وہی بنائے گا، سرحدوں کی حفاظت کی بھی کوئی صورت ضرور نکالے گا، اور اس کے چلے جانے کی صورت میں بیرونی قوت ہندوستان پر چڑھائی کرے گی تو دونوں حکومتیں مل کر اس کی مدافعت کریں گی اور ہر ایک دوسرے کی آدمی، اسلحہ، سامان اور روپے سے مدد کرے گا کیونکہ یہ سب کا مشترکہ مفاد ہوگا، ایسا نہیں کریں گے تو سب کا نقصان ہے۔ اس قسم کے دفاع کے کام باہمی معاہدوں سے انجام پائیں گے۔ مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا کہ حضرت معاہدوں کو آجکل کون پوچھتا ہے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ جب جماعت آپ سب کچھ کرنے کو تیار ہیں تو معاہدہ کی صورت تو بہر حال اس سے قوی تر ہونی چاہیے۔

پھر آپ کی تقریر کا حاصل تو یہ ہوا کہ ہم کسی حالت اور کسی وقت بھی ہندوؤں کی احتیاج سے باہر نہیں ہو سکتے اور نہ ان کی مدد کے بغیر کوئی کام کر سکتے ہیں۔ یہ بات کم از کم شیروں جیسے بہادروں کو زیب نہیں دیتی جو کہتے ہیں کہ ہم کو انگریز سے آزادی مل جائے پھر ہم ہندو وغیرہ کسی سے نہیں ڈرتے۔

نیز آپ دیکھتے ہیں کہ معاہدات ہی کی طاقت تھی کہ روس اور برطانیہ نے مل کر جرمن اور جاپان کو کس طرح نیچا دکھایا کیونکہ ان تینوں کی غرض مشترک تھی۔ پاکستان اور ہندوستان کا مفاد جب مشترک ہوگا تو دونوں بذریعہ معاہدات عملی اتحاد کیوں نہیں کر سکتے گو قومی اتحاد ہو نہ ہو۔

اسی موقع پر مفتی عتیق الرحمن صاحب نے علامہ عثمانی سے کہا کہ آپ تو ہمیشہ سیاسیات سے یکسو رہا کرتے تھے اس الیکشن میں کیا داعیہ پیش آیا جس کی وجہ سے آپ نے شرکت فرمائی۔

حضرت علامہ نے ارشاد فرمایا کہ اس الیکشن میں نوعیت پچھلے الیکشنوں سے بالکل مختلف ہے حکومت نے صاف لفظوں میں اس کا اعلان کر دیا ہے کہ اس مرتبہ منتخب ہونے والی اسمبلیاں ہی آئندہ ہندوستان کا مستقل دستور بنائیں گی، چونکہ اس الیکشن سے قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ وابستہ تھا اس بنا پر میں نے ضروری سمجھا کہ اس بنیادی موقع پر ان مسلمانوں کی مدد کی جائے جو استقلال ملت اور مسلم حق خود ارادیت کے حامی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ آپ نے یہ کیا کہا کہ میں سیاسیات سے ہمیشہ علیحدہ رہا ہوں گذشتہ چند سالوں کو چھوڑ کر اس سے بیشتر جمعیۃ العلماء ہند میں ہماری بھی تو کچھ نہ کچھ خدمات رہی ہیں، ہم نے بھی تو کچھ معرکے سر کئے ہیں۔ ادھر آپ حضرات طوفانی دورہ کر رہے تھے جس سے میرے نزدیک مسلمانوں کا نقصان تھا، تو ظاہر تھا کہ ایسے موقع پر میں سکوت کیسے باقی رکھ سکتا تھا۔

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است   اگر خاموش بنشینم گناہ است

ان وجوہ سے میں نے مسلم لیگ کی تائید و حمایت کی، پھر علامہ عثمانی نے یکایک کوئی اعلان نہیں کیا تھا بلکہ مسئلہ پاکستان کے نظریہ پر شرعی و سیاسی حیثیت سے، نظامی طور و تحقیق کیا، جب کلکتہ کے اجلاس کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام میں اپنا پیغام بھیجا تو استعفا وہ بھی فرمایا، کمل بصیرت اور شرح صدر کے بعد یہ اقدام فرمایا اس کے بعد علامہ عثمانی نے فرمایا کہ پھر میرا اثر ہی کیا ہے، ہندوستان میں اگر میری اپیل پر بیچارے نوابزادہ لیاقت علی خاں کو دس بیس ووٹ مل ہی گئے تو کیا ہوا، آپ حضرات تو ماشاء اللہ با اثر ہیں۔ موجودہ [illegible] کی طاقتیں آپ کے ساتھ ہیں، میں تو اب آپ ہی ایک اچھوت کی حیثیت رکھتا ہوں۔ کسی نے کیا نہیں یہ بات نہیں آپ کے اعلانات نے ملک میں ہلچل ڈال دی ہے۔

علامہ عثمانی سے سکوت کی درخواست مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا کہ بہر حال یہ اختلافی مسئلہ ہے، اس میں احتمال خطا کا دونوں طرف ہے۔ مگر آپ تو اس قوت سے بیان دے رہے ہیں کہ اپنے مخالف کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑتے، ذرا کچھ تو نرمی اختیار کریں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ حضرات تو ماشاء اللہ سب اہل علم ہیں آپ کو معلوم ہے کہ جب احناف و شوافع وغیرہ کے باہمی اختلافی مسائل کی تقریر آپ اور ہم کرتے ہیں تو باوجودیکہ سب ائمہ ہدیٰ ہیں لیکن ہم میں وہ کون ہے جو اپنے مذہب کی تصویب میں کوئی کسر چھوڑتا ہے؟ ہم حنفی مذہب کو ترجیح دیتے ہوئے شافعی یا مالک یا احمد کے لئے اپنے زعم میں کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑتے ہیں۔ اس پر سب ہنسنے لگے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں میرا وہی خیال ہے

جو فقہائے کرام نے مسائل کے متعلق کی نسبت لکھا ہے کہ ہمارا امام جو مسئلہ بیان کرے اس کی نسبت یہ اعتقاد رکھے صواب یحتمل الخطاء، یعنی جو ہمارے امام نے مسئلہ بیان کیا وہ صحیح اور درست ہے ہاں اس میں خطا کا بھی احتمال ہے اور دوسرے امام نے جو کہا (خطاء یحتمل الصواب) یعنی وہ خطاء ہے گو اس میں احتمال صواب کا بھی قائم ہے کیونکہ معصوم ان میں سے کوئی نہیں۔ آخر میں مولانا حفظ الرحمن صاحب نے فرمایا کہ جمعیۃ علماء اسلام محض ہماری جمعیت کے مقابلے میں اس کو توڑنے کے لئے قائم کی ہے۔ مناسب ہوگا کہ آپ کم از کم اس کی صدارت قبول نہ فرمائیں علامہ عثمانی نے فرمایا کہ میں نے ابھی صدارت کے قبول و عدم قبول کی نسبت کوئی باضابطہ فیصلہ نہیں کیا ہے لیکن کل کے لئے ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کیا کروں گا۔

نوٹ: لیکن اس کے بعد علامہ عثمانی نے کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کے ناظم کے تار کے جواب میں باضابطہ صدارت کی منظوری کا تار روانہ فرما دیا ہے۔

جب یہ حضرات علامہ عثمانی سے رخصت ہونے لگے۔ مولانا احمد سعید صاحب نے دریافت فرمایا کہ حضور نظام نے حیدرآباد بھی تو بلایا تھا آپ حیدرآباد کب تشریف لے جائیں گے علامہ عثمانی نے فرمایا کہ میں نے حضور نظام کو لکھا ہے کہ ابھی دو تین ماہ تک مجھے یہاں بغرض علاج قیام کرنا ہے، سردی کم ہوتے ہی اگر اجازت ہو تو حیدرآباد آؤں۔ اب حضور نظام پر موقوف ہے کہ اگر اس کے باوجود انہوں نے مجھے طلب کیا تو مجھکو بہر حال جانا پڑے گا اور اگر اجازت دیدی تو ٹھہر جاؤں گا۔

مولانا احمد سعید نے کہا: اجی حضرت یہ تو انگریزوں کی چال ہے کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں

(الحمد للہ اس تقریر کے مرتب کرتے وقت ہی حضور نظام کے چیف سکریٹری کا تار بنام علامہ عثمانی پہنچ گیا کہ آپ کو فروری تک قیام کی اجازت ہے۔ مرتب)

مجھے پہلے وفد کا مقصد یہ معلوم ہوتا تھا کہ جو تحریرات آپ کی شائع ہو چکی ہیں وہ بیان مسئلہ کے لئے کافی ہیں، اب اگر کچھ خاموشی اختیار کر لی جائے تو کیا بہتر نہ ہوگا۔ لیکن علامہ عثمانی نے فرمایا کہ جس چیز کو میں حق سمجھتا ہوں ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں میرے لئے سکوت کیسے مناسب ہے۔

اس کے بعد وفد رخصت ہوگیا، یہ تمام گفتگو نہایت خوشگوار فضا میں ہوئی کسی موقع پر بھی بحمد للہ ادنیٰ تلخی پیدا نہیں ہوئی۔ جب یہ تاریخی مجلس برخاست ہونے لگی تو علامہ عثمانی نے اپنے [illegible] [illegible]

ہمت افزا یا کہ یہ سلسلۂ گفتگو آخری سلسلہ نہیں ہے پھر جب چاہیں گفتگو کر سکتے ہیں۔ جانبین کو موقع غور و فکر کا حاصل ہے۔ اب تک کی صورت حال یہ ہے کہ آپ اپنی جگہ قائم ہیں اور میں اپنی جگہ پر رہا۔ اس کے بعد مجلس برخاست ہو گئی۔ شرعی حیثیت سے مسائل حاضرہ پر علماء ہند کے وفد کی طرف سے کوئی کلام نہیں ہوا۔

(غالباً یہ حضرات یہ سمجھ کر آئے تھے کہ علامہ عثمانی کی سیاسی معلومات کم ہوں گی تو ہم اپنے بیان کردہ واقعات سے علامہ موصوف کی رائے کو متاثر کر دیں گے۔ شرعی حیثیت سے گفتگو کو تو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ اس پر ہم آپ سے کیا بحث کرتے۔ لیکن اس مکالمے سے غالباً ان پر یہ حقیقت بھی روشن ہو گئی ہو گی کہ علامہ عثمانی کی معلومات شرعیہ جہاں بے پناہ ہیں وہاں سیاسی مذاق بھی کچھ اس سے کم نہیں یہ حقیقت ہے کہ علامہ عثمانی نے مسئلہ پاکستان کو اپنی گفتگو میں اس طرح سے منقح کیا کہ جو لوگ سیاسی ہیں جب اس مکالمہ کو سنتے ہیں تو وہ خود بھی تنقیح مسئلہ کے اس انداز پر عش عش کرتے ہیں۔

ضروری گذارش

جو مکالمہ اوپر درج ہوا اس پر گفتگو کے سب اجزاء آ گئے۔ کوئی ایک آدھ جز چھوٹ گیا ہو تو جدا بات ہے۔ ترتیب لب لباب جہاں تک ممکن تھا لے لیا گیا۔ علامہ عثمانی نے جس طرح گفتگو نقل فرمائی اسی طرح قلمبند کر لی گئی اور مزید احتیاط یہ کی گئی کہ مسودہ صاف کر کے حضرت علامہ کو دکھلا لیا گیا۔ حضرت علامہ نے کہیں کہیں اس میں ترمیم و اصلاح بھی فرمائی۔ لہٰذا یہ مکالمہ اب حضرت علامہ کا مصدقہ مکالمہ ہے جو بغرض افادۂ عوام شائع کیا جا رہا ہے۔ اس مکالمے سے اہل بصیرت اور مہذب دنیا کو یہ واضح ہو گا کہ اختلافات میں حزم و ضبط اور عدل و توازن سے کیا لطافت پیدا ہوتی ہے اور کس طرح مسئلے کے تمام پہلو سامنے آ سکتے ہیں۔ ورنہ اختلافیوں پر بدتہذیبیوں سے اختلاف کس طرح خلاف و شقاق کی نوعیت اختیار کر لیتے ہیں اور دیکھ بردو جماعتوں کا رخ کیا ہے۔ کون اصول کو مقدم کرنا چاہتا ہے اور کون ذاتیات پر اتری ہوئی ہے۔

طاہر احمد القاسمی

مسلم پرنٹنگ پریس دہلی (انڈیا) نکہت پاکستان)

گوشۂ ادب

تابش مہدی

ایک شعر کی اصلاح

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ جس طرح دنیا کے دوسرے علوم و فنون میں درک حاصل کرنے کیلئے کسی استاد و مربی کی ضرورت پیش آتی ہے اسی طرح شعر گوئی کے لئے بھی ضروری و ناگزیر ہے۔

لاریب شعر گوئی ایک وہبی و فطری ذوق ہے، جس میں "شعر گو" کا اپنا ذوق و وجدان ہی رہنما ہوتا ہے، ایک ایسا شخص جو موزونیٔ طبع کی دولت سے محروم ہو شعر گوئی نہیں کر سکتا، تاہم استاد و مربی کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں، کیونکہ بسا اوقات ایسے مقامات آتے ہیں جہاں شاعر بعض ایسی لغزشوں کا شکار ہو جاتا ہے جن کا اسے احساس تک نہیں ہوتا اور ان سے بچنا کسی استاد و مربی کی تربیت کے بغیر ایک دشوار ترین مسئلہ ہے۔ لیکن شعر و سخن کی تاریخ کا یہ عجیب و غریب المیہ ہے کہ وہی لوگ جو دوسرے تمام علوم و فنون کے لئے کسی استاد و رہنما کا ہونا ناگزیر تصور کرتے ہیں شعر گوئی کے سلسلے میں ان کا رویہ بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ اپنی مجلسوں اور شعری و ادبی محفلوں میں فخریہ طور پر اس بات کا اظہار بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ شعر و سخن کے فن میں ان کا کوئی استاد نہیں ہے اور انہوں نے کبھی بھی کسی استاد کے آگے اپنی غزلوں کو بغرض اصلاح پیش کر کے استادی و شاگردی کا رشتہ نہیں قائم کیا، البتہ انہیں اس بات کے اظہار میں کوئی عار نہیں محسوس ہوتا کہ وہ خود استاد کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان سے اصلاح لینے والے ایک دو نہیں درجنوں کی تعداد میں ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ شعر و ادب کا معیار روز بروز زیست سے پست تر ہوتا جا رہا ہے۔ فنی بے راہ روی اور زبان و بیان کی طرف سے بے توجہی اور محاورات و روزمرہ سے عدم واقفیت عام ہے۔ شتر گربہ، ایطائے جلی، شکست ناروا اور اسقاط قوافی کا ارتکاب جدید شعراء کی علامت بن چکا ہے، اور شہر کو شہَر، شمع کو شمَع، نذر کو نذَر، صحیح بروزن نظر یا بشر، کر کے "اور زمین صاف" کا سقوط تو آج کے انگشت بدست شعراء کا طرۂ امتیاز بن چکا ہے۔

یہ سب نتیجہ ہے اسی "بے استادی پن" کا جس کا برملا اظہار ہمارے آج کے شعراء فخر کے طور پر کرتے ہیں۔

شعر و سخن کی دنیا میں استاد یا مصلح کی اہمیت کیا ہے اس سلسلے میں صرف ایک واقعہ ہی نقل کرنا کافی ہوگا۔

خمریات کے امام، دولتِ غزل کے بادشاہ جناب ریاض خیرآبادی کے مقام و مرتبہ سے کون واقف نہیں ہے۔ یہ حضرت امیر مینائی مرحوم کے شاگرد تھے۔ ایک بار شاگرد نے استاد کی خدمت میں بغرض اصلاح ایک غزل پیش کی جس کا ایک شعر یہ تھا ؎

نسیم آئی ہے شمع مزار گل کرنے — وہ اس کے آنے سے پہلے ہی بجھ گئی ہوگی (ریاض)

استاد محترم (حضرت امیر مینائی) نے شاگرد کی بھرپور تحسین فرمائی، دو شعر کے پہلے مصرعے میں ایک لفظ کا اضافہ کر کے شعر کو معراج حسن عطا کر دی۔ لطف کی بات یہ کہ کسی ترمیم و تنسیخ کے بغیر ایک لفظ کے اضافے کے باوجود مصرعے میں سکتہ تو کجا تشنگی و روانی میں بھی کوئی فرق نہیں آیا اور وہ مصرعہ اس طرح ہو گیا ؎ نسیم اب آئی ہے شمع مزار گل کرنے

اہل نظر قارئین اس بات کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں کہ اس ایک لفظ "اب" کے اضافے نے شعر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اور یہ کام صرف استادی کے کرنے کا تھا۔

(بقیہ دعا کیجئے)

محمد عمر (مرحوم) - ۹ سال محمد انس - اور سب سے چھوٹا سعاد جس کی عمر پانچ سال ہے۔ ان کی بڑی خواہش تھی بچے علاج میں داخلہ لے پائے، وہ اول الذکر دونوں کو لے کر علاج گئے تھے بہرحال مشیت ایزدی تو کچھ اور تھی۔ والد صاحب اس حادثے سے بیحد متاثر ہیں کچھ بولتے نہیں بس ونادات آنسو بہاتے ہیں۔ آپ حضرات دعا کیجئے۔

گھر کا پتہ — (1) BARODA - P.O. MONGALIYA - DISH. RAISEN, 46455? M.P.

شہر کا پتہ — 10 (2) MR. ATHAR SIDDIQI, PATHAN MOHALLA RAISEN M.P. 464551

(بقیہ جہاد افغانستان)

کچھ نجی افسران کے روسی مال بردار طیارے کابل ائیرپورٹ پر منڈلاتے رہتے ہیں۔ یہ زیادہ گنجائش والے طیارے ہیں اور جون جولائی میں ان سے اڑائے جانے والے سامان کی کثیر مقدار سمجھی ہوں اور میزائل منتقل کی جو اسکو سے براہ راست لائی جاری تھی۔ بہرحال روسی افواج کی تعداد میں عنقریب غلبے کی جانب امکانی اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔

غزلیں

ادریس ضیا،
ALAPUR, BADAUN, U.P.
243631

رفتہ رفتہ سوچ کا تبدیل منظر ہو گیا
میرا اپنا جب مرے قد کے برابر ہو گیا
اٹھ گئی رسم وفا، اور اڑ چکا رنگ خلوص
کس قدر بھدا اکھرے سونے کا زیور ہو گیا
اک کرن اتری فلک سے جسکو سب آدم کہیں
پھر تو وسعت میری دھرتی کا مقدر ہو گیا
جھوٹ کی ہر ہر قدم پر تاجپوشی کی گئی
سچ نے جب بھی لب ہلائے گھر سے بے گھر ہو گیا
جو سناتا تھا لطیفے دوستوں کے درمیاں
آئینے کے سامنے آیا تو پتھر ہو گیا
چاند تارے جس کی نظروں میں رہے محو تلاش
جسکو تیری یاد کا جگنو میسر ہو گیا
ہم ضیا جب بھی جہاں بھی ٹھوکریں کھاتے گئے
بس اسی دھرتی کا ٹکڑا اپنا بستر ہو گیا

اظہر عزیز دربھنگوی
ٹائم سنٹر، سیکٹر ۵ مارکیٹ بھلائی نگر
۴۹۰۰۰۶

اس کا یہ مرہم تو کبھی آپ نے رکھا ہوتا
زخم دل کا ہے شاید یونہی اچھا ہوتا
اک ذرا تم نے جو اپنا مجھے سمجھا ہوتا
وہ دور ظلم پھر تو زمانے کا گوارا ہوتا
میں تو زینت رہا شو کیس کی اک مدت سے
کبھی مجھ کو بھی کسی نے تو خریدا ہوتا
وقت کی قید سے باہر جو نکل آتا میں
میری خاطر بھلا اس دہر میں کیا کیا ہوتا
آرزو اور تمنا کا دل پہ مرکز
کی گرہ جاتا اگر دل مرا تنہا ہوتا
کیسے آتا مجھے پھر ان کی محبت کا یقین
کوئی تارا سر مژگاں کبھی دیکھا ہوتا
کوئی غمخوار یہاں ہے نہ کوئی پرسان حال
کاش پلکوں پہ مرا اشک ہی ٹھہرا ہوتا

غزلیں

شفق طاہری

اس تماشا گاہ میں کب تک اداکاری کروں
کوئی چہرہ ہے کہ گھر چلنے کی تیاری کروں
ان کی سچائی بھی اپنے جھوٹ کو جاری کروں
پھول سے معصوم بچوں میں ریاکاری کروں
جی حضوری کا سلیقہ مجھ کو آتا ہی نہیں
کس توقع پر امیر شہر سے یاری کروں
روح کے سنسان کھنڈروں کو چھپانے کیلئے
گھر کی دیواروں پہ بھی خوش رنگ گلکاری کروں
اپنے گھر والوں سے جانے کیوں الرجی ہے مجھے
دوسروں کے ساتھ میں باتیں بڑی پیاری کروں
سوچتا ہوں میں بھی سادہ لوح کتنا ہوں شفق
پھول کی چاہت میں کانٹوں کی طرفداری کروں

ابوالبیان حماد

داستان حق

اب کہاں حق کے وہ دیوانے نظر آتے ہیں
صرف فرزانے ہی فرزانے نظر آتے ہیں
ایک عبرت کا سماں اپنے جلو میں ہے لئے
یہ جو اجڑے ہوئے ویرانے نظر آتے ہیں
پی تاریخ کے اوراق درخشندہ ہیں
سرفروشی ہی کے افسانے نظر آتے ہیں
مئے توحید سے سرشار جو رہتے تھے کبھی
ان دماغوں میں صنم خانے نظر آتے ہیں
پھر ہوا دورِ جنوں سلسلہ جنباں شاید
وادیٔ نجد میں دیوانے نظر آتے ہیں
داستانِ غم دل کس کو سنائیں حماد
آج اپنے بھی تو بیگانے نظر آتے ہیں

غزلیں

عزیز بگھروی
۲۵۰۳ - بارہ دری، بلیماران
دہلی - ۱۱۰۰۰۶

بات اچھی کرے یا برائی کرے
آدمی سوچ کر لب کشائی کرے
کوئی کرنے کو یوں خودستائی کرے
بات جب ہے زمانہ بڑائی کرے
منہ پہ تعریف پیچھے برائی کرے
ہنوا بھی نگاہی بجھائی کرے
حق سے الفت بھی ہے آدمی کو بہت
بات حق کی کہو تو لڑائی کرے
بند آنکھیں نہ کھولے زمانہ اگر
خضر بھی اس کی کیا رہنمائی کرے
نیک و بد میں نہیں فرق کوئی یہاں
وہ بھی مخلص ہے جو بے وفائی کرے
کس قدر اوج پر ہے ستارہ ترا
ہر مخالف تری ہمنوائی کرے
مل کے رہنے کا ہم قصد تو کریں
کس میں ہمت ہے ہم میں جدائی کرے
سرفرازی سے محروم اک حکمراں
اک فقیری میں فرمانروائی کرے
تابہ کی مانند ہے دل عزیز
جھوٹ کوئی تو نغمہ سرائی کرے

لب و لہجہ نہ تھا ہم ہمارا
زمانہ ہی نہ سمجھا غم ہمارا
تمہاری بے نیازی سے نہ ہوگا
خلوص جاں نثاری کم ہمارا
جلواب جاں بھی ان کو نذر کردیں
سر تسلیم تو ہے خم ہمارا
بچھڑ کر کے ستم گر سے اپنے ہوگئے ہم
لو! شیرازہ ہوا برہم ہمارا
مسرت کی طلب کچھ نہیں اب
یہیں دامن آگیا ہے غم ہمارا
ہمارے تن پہ بھی غم گسار دو
لکھو نوحہ کر دو ماتم ہمارا
دیئے روشن ہوا میں کر رہے ہیں
زمانہ دیکھ لے دم خم ہمارا
بچھڑ کر بھی ہے ان سے اک تعلق
مسلسل دم بدم پیہم ہمارا
ہمارا درد بھی محسوس کرتا
کوئی غم آشنا ہمدم ہمارا
عزیز اک معتبر کردار بھی ہے
عقیدہ ہی نہیں محکم ہمارا

تحریر: ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت پاشا — ترجمانی: ابو جاوید

حضرت خبّاب بن ارت رضی اللہ عنہ

ام انمار خزاعیہ ایک روز مکے میں واقع بردہ فروشوں کے بازار میں پہونچی۔ وہ ایک غلام خریدنا چاہتی تھی تاکہ اس سے خدمت لے اور اس کی کمائی سے فائدہ حاصل کرے۔ وہ فروخت کے لئے آئے ہوئے ایک ایک غلام کے چہرے کو بغور دیکھتی پھر رہی تھی۔ آخر اس کی نگاہ انتخاب ایک لڑکے پر جا کر ٹک گئی جو ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچا تھا۔ اس لڑکے کی جسمانی صحت اور اس کے چہرے سے ظاہر ہونے والے ذہانت و شرافت کے آثار نے ام انمار کو اس کی خریداری پر آمادہ کیا۔ اس نے قیمت ادا کر کے اسے خرید لیا۔ گھر جاتے ہوئے ام انمار نے راستے میں اس سے پوچھا۔

"بچے، تمھارا کیا نام ہے؟"

"خباب"

"اور تمھارے والد کا؟"

"ارت"

"کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"نجد کے"

"تب تو تم عربی النسل ہو"

"ہاں، اور میرا تعلق بنو تمیم سے ہے"

"تم ان بردہ فروشوں کے ہاتھ کیسے لگ گئے؟"

"ایک قبیلے کے لوگوں نے ہماری بستی پر اچانک چھاپہ مار کر ہمارے جانوروں کو چھین لیا، عورتوں کو گرفتار کر لیا اور بچوں کو پکڑ کے لے گئے۔ پکڑے جانے والے بچوں میں میں بھی تھا۔ پھر میں یکے بعد دیگرے مختلف ہاتھوں سے ہوتا ہوا یہاں مکہ پہنچ گیا اور اب آپ کے ہاتھ میں ہوں۔"

ام انمار نے اپنے اس غلام کو مکے کے ایک آہن گر کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اس سے اسلحہ سازی کا ہنر سیکھے

اس نے بہت جلد اس فن میں مہارت حاصل کر لی اور اس میں طاق ہو گیا۔ اور جب اس کے بازو خوب قوی ہو گئے اور وہ جسمانی طور پر کافی مضبوط ہو گیا تو ام انمار نے ایک دکان کرائے پر لی اور اسلحہ سازی کیلئے ضروری اوزار اور سامان خرید کر غلام کے حوالے کیا اور اس کی مہارت فن کے ذریعے خوب مالی فوائد حاصل کرنے لگی۔ چند ہی دنوں میں خباب کی فنی مہارت کی شہرت مکے کی پوری آبادی میں پھیل گئی، اور لوگ کثرت سے ان کے پاس تلواریں خریدنے کے لئے آنے لگے کیونکہ وہ ایک بہترین کاریگر ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت دیانت دار اور صادق القول شخص تھا۔

خباب ابھی کم سنی اور نوجوانی کے باوجود نہایت صاحب فہم و فراست اور زیور عقل و دانش سے پوری طرح آراستہ تھے، جب وہ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر تنہائی میں ہوتے تو اکثر اس جاہلی معاشرہ کے متعلق سوچا کرتے جو ایڑی سے چوٹی تک فساد اور بگاڑ کی دلدل میں دھنسا ہوا تھا۔ اور یہ دیکھ دیکھ کر کہ اہل عرب کی زندگی پر شدید قسم کی جہالت اور ذہنی گمراہی مسلط ہے، جس کا ایک شکار وہ خود بھی ہیں۔ سخت گھبراہٹ میں مبتلا ہو جایا کرتے تھے۔ اور بے ساختہ پکار اٹھتے کہ "ایک نہ ایک دن اس تاریک رات کا خاتمہ ہو کر رہے گا"۔ اور دل ہی دل میں اپنے لئے درازی عمر کی تمنا کرتے تاکہ اپنی آنکھوں سے جہالت و گمراہی کی اس تاریکی کو چھٹتے اور علم و ہدایت کی روشنی کو نمودار ہوتے ہوئے دیکھ لیں۔

اور خباب کو اس کے لئے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ان کی آرزو بہت جلد پوری ہو گئی۔ ان کے علم میں یہ بات آگئی کہ نور ہدایت کی شعاعیں بنی ہاشم کے ایک فرد محمد بن عبداللہ (فداہ ابی و امی) کے منہ سے نکل کر گرد و پیش کے تیرہ و تار ماحول کو منور کرنا شروع کر چکی ہیں۔ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ ان کا پیغام سنا اور اس پیغام کے نور سے ان کا مکمل وجود سراپا جگمگا اٹھا۔ انھوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس بات کی شہادت دی کہ "خدائے واحد کے سوا کوئی دوسرا لائق پرستش و عبادت نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں"۔ اور اس طرح وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والے چھٹے شخص بن گئے۔ اور کہا جاتا ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ پر ایک ایسا وقت بھی گذرا کہ وہ اسلام کا چھٹا حصہ تھے۔

حضرت خباب نے اپنے اسلام کو کسی سے چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ اس لئے ام انمار کو ان کے مسلمان ہونے کی خبر بہت جلد معلوم ہو گئی۔ اس خبر کو سنتے ہی اس کے غیظ و غضب کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس نے

اپنے بھائی سباع بن عبدالعزیٰ کو ساتھ لیا۔ قبیلہ بنو خزاعہ کے کچھ اور نوجوان بھی اس کے ہمراہ ہو گئے۔ یہ سب لوگ حضرت خبابؓ کے یہاں پہنچے۔ اس وقت وہ اپنے کام میں مشغول تھے۔ سباع نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "خباب تمہارے متعلق ہم کو ایک ایسی خبر ملی ہے جس پر یقین کرنا ہمارے لئے آسان نہیں ہے۔"

"کون سی خبر؟" انھوں نے پوچھا۔

"یہ بات ہر طرف مشہور ہو رہی ہے کہ تم بے دین ہو گئے ہو، اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو ترک کر کے بنی ہاشم کے اس "لونڈے" کی پیروی کرنے لگے ہو۔" سباع نے غصے سے تیز ہوتے ہوئے کہا۔

"میں بے دین نہیں ہوا ہوں، میں تو اس اللہ واحد پر ایمان لایا ہوں جس کا کوئی شریک سہیم نہیں اور میں نے تمہارے بتوں کی پرستش چھوڑ دی ہے اور اس بات کی گواہی دی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔" حضرت خبابؓ نے نہایت پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

حضرت خبابؓ کے یہ الفاظ جیسے ہی سباع اور اس کے ساتھیوں کے کانوں میں پڑے، وہ یکایک ان پر پل پڑے اور ان کے اوپر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔ اور جس کے ہاتھ میں جو چیز آ گئی اسی سے مارنے لگا، چاہے وہ ہتھوڑا ہو یا لوہے کا ٹکڑا۔ وہ ان کو مارتے رہے یہاں تک کہ وہ زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے، اور ان کے جسم سے خون بہنے لگا۔

حضرت خبابؓ اور ام انمار کے درمیان پیش آنے والے اس واقعے کی خبر پورے مکے میں جنگل کی آگ کی طرح بڑی سرعت کے ساتھ پھیل گئی اور لوگ ان کی اس غیر معمولی جرأت پر دنگ ہو کر رہ گئے۔ کیونکہ اس سے پہلے انھوں نے پیروان محمدؐ میں سے کسی کے متعلق یہ نہیں سنا تھا کہ اس نے قبول اسلام کے بعد لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر اس طرح صراحت اور تبلیغ کے ساتھ اپنے اسلام کا اعلان کیا ہو۔ سرداران قریش ان کی اس غیر معمولی جرأت اقدام پر سخت برہم ہوئے، کبھی ان کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ ام انمار کے اس غلام کی طرح کا کوئی غلام جس کا نہ کوئی خاندان ہو، جو اس کی حمایت پر کمربستہ ہو اور نہ اس کا کوئی طرفدار ہو جو اس کو حفاظت اور پناہ فراہم کرے، اس حد تک جرأت کا مظاہرہ کرے گا کہ ان کے قابو سے باہر ہو کر برملا ان کے معبودوں کی توہین کرے اور ان کے آباؤ اجداد کے دین کو سفاہت و گمراہی قرار دے۔ اس واقعے نے قریش کو اس بات کا یقین دلا دیا کہ یہ ان کی زندگی کا بدترین دن ہے، اور ان کا یہ یقین کچھ غلط بھی نہ تھا، کیونکہ اس کے بعد ہی حضرت خبابؓ کی اس جرأت سے

ان کے ساتھیوں کے اندر بھی اس بات کا حوصلہ پیدا ہو گیا کہ وہ کھل کر اپنے اسلام کا اعلان کریں۔ چنانچہ انھوں نے یکے بعد دیگرے کلمۂ حق کا علی الاعلان اظہار کرنا شروع کر دیا۔

ایک روز ابوسفیان بن حرب، ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام اور دوسرے بہت سے شیوخ قریش بیت اللہ کے پاس ایک مجلس میں بیٹھے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور دین کا پیغام ان کا موضوع گفتگو تھا۔ انھوں نے محسوس کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت روز بروز بڑھتی اور پھیلتی جا رہی ہے اور ان کی مقبولیت میں ہر آن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ چنانچہ انھوں نے طے کیا کہ مرض کے بڑھنے سے پہلے ہی اس کا استیصال ناگزیر ہے اور وہ متفق ہو کر اس بات کا فیصلہ کر کے اس مجلس سے اٹھے کہ ہر شخص اپنے قبیلے کے ان افراد کو جنھوں نے محمدؐ کی پیروی اختیار کی ہے، ایسی دردناک اور عبرت انگیز سزا دے کہ یا تو وہ اپنے اس نئے دین کو ترک کر کے پرانے دین کی طرف پلٹ آئیں یا موت ان کی زندگی کا چراغ گل کر دے۔

اس فیصلے کی رو سے حضرت خبابؓ کو ستانے کی ذمہ داری سباع بن عبدالعزیٰ اور اس کے قبیلے بنو خزاعہ پر عائد ہوئی۔ چنانچہ یہ عین دوپہر میں جب دھوپ کی تمازت اپنے شباب پر ہوتی ہے، اور زمین سورج کی تیز اور گرم کرنوں سے تپ کر توا بن جاتی ہے، یہ لوگ حضرت خبابؓ کو مکے سے باہر سنگلاخ میدان میں نکال کر لے جاتے، ان کے جسم سے کپڑے اتار کر انھیں لوہے کی زرہ پہنا دیتے اور تیز چلچلاتی دھوپ میں جلتی ہوئی ریت پر ڈال دیتے۔ مزید براں ان پر پانی بھی بند کر دیتے، یہاں تک کہ جب ان کی تکلیف اپنی انتہا کو پہنچ جاتی تو ان سے پوچھتے۔

"محمدؐ کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟"

"وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ ہدایت اور دین حق کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ تاکہ ہم لوگوں کو کفر و شرک کی ظلمت سے نکال کر ایمان و ہدایت کی روشنی میں داخل کریں۔" حضرت خبابؓ ان کو جواب دیتے۔

یہ سنتے ہی وہ لوگ بے تحاشہ ان کو لاتوں اور گھونسوں سے مارنے لگتے اور پھر پوچھتے۔

"اور لات و عزیٰ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

"وہ دو بت ہیں جو کسی کی بات سمجھنے اور اس کا جواب دینے سے قاصر ہیں، نہ کسی کو کوئی نقصان پہنچا سکتے نہ اس کو کوئی فائدہ دے سکتے۔۔۔۔"

اتنا سنتے ہی وہ آس پاس پڑے ہوئے گرم گرم پتھر اٹھا لاتے اور ان پتھروں کو ان کی پیٹھ سے چپکا دیتے۔

اور انھیں چپکائے رہتے یہاں تک کہ ان کے کندھے سے چربی پگھل کر بہنے لگتی۔

اُمِّ انمار حضرت خبابؓ کے لیے اپنے بھائی سباعؓ سے کچھ کم سنگ دل نہ تھی۔ ایک روز اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خبابؓ کی دکان کی طرف سے گزرتے اور ان سے بات کرتے دیکھا۔ وہ غصے سے دیوانی ہوگئی۔ اب وہ روزانہ اُن کے یہاں آتی اور بھٹی میں سے دہکتا ہوا لوہا نکال کر ان کے سر پر رکھ دیتی۔ ان کا سر جلنے لگتا اور وہ بیہوش ہو کر گر جاتے۔ اور افاقہ ہونے پر، اس کے اور اس کے بھائی کے حق میں بددعا کرتے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ہجرت مدینہ کی اجازت مرحمت فرمائی تو حضرت خبابؓ نے بھی اس کی تیاری کرلی لیکن انھوں نے مکہ کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک اللہ تعالیٰ نے ام انمار کے حق میں ان کی بددعا کو قبول نہیں کرلیا۔ وہ شدید قسم کے درد سر میں مبتلا ہوگئی۔ ایسے درد میں جس کی تکلیف ناقابل برداشت تھی اور جس کی مثال کبھی سُننے میں نہیں آئی تھی۔ وہ شدت درد کے مارے کتے کی طرح چیختی تھی۔ اس کے لڑکے مختلف جگہوں پر اس کا علاج کراتے پھرے، مگر کہیں افاقے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ ان سے بتایا گیا کہ اس درد سے نجات کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ اس کے سر کو برابر گرم لوہے سے داغا جاتا رہے۔ اطباء کی ہدایت کے مطابق اس کے سر کو گرم لوہے سے داغا جانے لگا۔ اس سے اس کو تو شدید قسم کی تکلیف ہوتی کہ وہ اپنے درد سر کی تکلیف کو بھول جاتی۔

مدینہ میں انصار کی مہمان نوازی اور ان کے لطف و کرم سے حضرت خبابؓ نے اس سکون و راحت کا مزہ چکھا جس سے وہ مدت دراز تک محروم رہے۔ یہاں آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب اور دیدار سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں، اور اب ان کے سکون کو پراگندہ اور ان کے اطمینان کو منتشر کرنے والی کوئی چیز نہ تھی۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معرکۂ بدر میں شریک ہوئے اور ان کے زیر علم انھوں نے مشرکین کے ساتھ قتال میں حصہ لیا۔ نیز انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جنگ اُحد میں بھی شرکت کی اور وہاں ام انمار کے بھائی سباع بن عبدالعزیٰ کو شیر خدا حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میدان جنگ میں زمین پر پچھڑا ہوا اور خون میں لت پت دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔

حضرت خبابؓ نے طویل عمر پائی۔ انھوں نے چاروں خلفاء راشدین کا مبارک اور شاندار زمانہ دیکھا

اور ان کے زیرِ سایہ عزت و شہرت کی زندگی گزاری۔ ایک دن وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کے پاس پہنچے تو خلیفہؓ نے ان کے ساتھ نہایت ادب و احترام کا برتاؤ کیا۔ ان کو اونچی جگہ پر بٹھایا اور ان سے فرمایا:

"بلال کے سوا اس جگہ پر بیٹھنے کا مستحق تم سے زیادہ دوسرا کوئی نہیں ہے۔" پھر ان سے مشرکین کے ہاتھوں جھیلی ہوئی سب سے زیادہ دردناک اور تکلیف دہ اذیت کے بارے میں دریافت کیا۔ پہلے تو وہ جواب دینے سے جھجکتے رہے مگر حضرت عمرؓ کے شدید اصرار پر انھوں نے اپنی پیٹھ سے چادر سرکا دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے دیکھ کر چونک اٹھے اور بولے، یہ کیسے ہوا؟ تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک دن مشرکین نے آگ جلا کر انگارے تیار کیے، پھر انھوں نے میرے جسم سے کپڑے اتار دیے، اور مجھے ان انگاروں پر پیٹھ کے بل گھسیٹتے رہے یہاں تک کہ میری پیٹھ کا گوشت اس کی ہڈیوں سے الگ ہوگیا اور جسم سے نکلی ہوئی چربی نے ان انگاروں کو سرد کر دیا۔"

حضرت خبابؓ نے پہلے افلاس اور تنگدستی کی زندگی گزاری تھی لیکن اپنی عمر کے آخری نصف حصے میں وہ کافی مالدار ہوگئے تھے۔ وہ اس قدر درہم و دینار اور مال و دولت کے مالک تھے کہ شاید اس کا تصور بھی انھوں نے خواب و خیال میں بھی نہ کیا ہوگا۔ لیکن انھوں نے اس مال میں اس طرح تصرف کیا کہ کوئی اس کو سوچ بھی نہیں سکتا۔ انھوں نے اپنی دولت گھر کے ایک حصے میں رکھ دی تھی جس کو تمام حاجتمند اور صاحب فقر و مساکین جانتے تھے۔ انھوں نے نہ تو اس مال کی حفاظت و نگرانی کا کوئی انتظام رکھا، نہ اس پر تالا لگایا، ضرورتمند اس میں سے جتنا چاہتے لے جاتے۔ اس کے باوجود وہ ہمیشہ اس اندیشے میں مبتلا اور اس بات سے خوفزدہ رہتے کہ ان سے اس مال کا حساب لیا جائے گا اور اس کے سبب سے ان کو عذاب دیا جائے گا۔ ان کے ساتھیوں کا بیان ہے کہ ہم لوگ خبابؓ کے مرض الموت میں ان کی عیادت کے لیے گئے، تو انھوں نے کہا کہ اس جگہ اسّی ہزار درہم ہیں۔ اور خدا کی قسم! نہ تو میں نے اس پر کبھی کوئی روک ٹوک کی اور نہ کبھی کسی کو اس میں سے لینے سے منع کیا، اتنا کہہ کر وہ رونے لگے۔ جب ہم نے ان سے رونے کا سبب دریافت کیا تو بولے کہ "میرے بہت سے ساتھی اس طرح دنیا سے گزر گئے کہ انھوں نے اپنے اعمال کا کوئی دنیاوی فائدہ نہیں حاصل کیا۔ لیکن میں زندہ رہا اور اس قدر دولت و جائداد میرے ہاتھ آئی کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ میرے اعمال کا اجر نہ ہو۔"

جب حضرت خبابؓ کا انتقال ہوگیا اور وہ اپنے رب رحیم و کریم کے جوارِ رحمت میں پہنچ گئے تو

(بقیہ صفحہ ۴۷ پر)

ترجمہ و تلخیص

تحریر: میکس مائرہاف — عبدالباری نظامی، ہمدرد نگر، نئی دہلی

طبِ اسلامی

اسلامی علوم کے خزانوں کے دروازے اب کھلنا شروع ہو گئے ہیں، صرف قسطنطنیہ کی اسی (۸۰) سے زائد مسجد کی لائبریریوں میں دسیوں ہزار مخطوطات محفوظ ہیں۔ اسی طرح قاہرہ، دمشق، بغداد، ایران اور ہندوستان میں اچھا خاصا ذخیرہ ہے۔ جہاں تک سپین کی اسکوریال لائبریری کا تعلق ہے جس میں مغربی مسلمانوں کا ایک بہت بڑا حصہ محفوظ ہے وہ اب بھی نامکمل ہے۔ گذشتہ چند سالوں میں اس سلسلے میں کثیر التعداد مخطوطات کا انکشاف ہوا جس نے بہت سے سابقہ تصورات و خیالات کا رخ بدلنے میں کافی کامیابی حاصل کی اور عالم اسلام میں سائنسی طرز کی ابتدائی تدریج پر روشنی ڈالی ہے۔ اب میں طب میں مسلمانوں کی خدمات اور کارناموں کا مختصر جائزہ لوں گا جو کہ توقع ہے بہت ہی مفید ثابت ہوگا۔

طب اسلامی کو مندرجہ ذیل چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) دور ابتدائی (۷۵۰ء تک)

(۲) دور تراجم (۷۵۰ء تا ۹۰۰ء)

(۳) دور زریں (۹۰۰ء تا ۱۱۰۰ء)

(۴) دور زوال (از ۱۱۰۰ء)

(۱) دور ابتدائی: ساتویں صدی عیسوی میں اہل عرب کو اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں جو تہذیب ملی وہ دور جاہلیت سے خالی لیکن موسیقیت اور زبان سے مالا مال تھی اور عربی زبان کو اس کی اپنی انفرادی خصوصیت کی بنا پر مشرق قریب میں سائنسی محاورات کے طور پر استعمال کیا جانے لگا جس طرح سے کہ مغرب میں لاطینی زبان کو افہام و تفہیم کے لئے ایک واسطہ کی حیثیت سے اختیار کیا گیا۔

دور جاہلیت کی شاعری اور اسلام کے دور ابتدائی کی شاعری سے پتہ چلتا ہے کہ بدویوں کو اپنے وسیع جزیرہ کے جانوروں، پودوں اور پتھروں کے بارے میں خصوصی معلومات حاصل تھیں۔ شعراء کو اپنے دشمنوں اور گھوڑوں کی صفات اور خوبیوں کو ذکر کرنے میں کافی مہارت تھی چنانچہ بعد کی صدیوں میں ان کی زبان

کی وجہ سے ایک خاص قسم کا لٹریچر تیار کیا جانے لگا۔

جہاں تک فن طب، حفظان صحت اور سمیات کا تعلق ہے اس سلسلے میں ان کو زیادہ معلومات نہیں تھی اور قرآن مجید بھی ماہیت مرض کے بارے میں کوئی واضح تصور نہیں پیش کرتا ہے ان میں سماجی مقاصد کے پیش نظر صرف حفظان صحت سے متعلق کچھ اشارات ملتے ہیں۔ زیادہ تر معلومات کا ذخیرہ قرآن کی ان تفسیروں اور روایات میں ملتا ہے جن کو اسلام کی ابتدائی صدیوں میں تشکیل دیا گیا ہے۔ تاہم علمی اعتبار سے ان مضامین کی زیادہ اہمیت نہیں ہے کیونکہ وہ محض امراض اور علاج کی ایک فہرست پیش کرتی ہیں ساحرانہ عملیات، نظر بد کے خلاف تعویذات اور حفاظتی عبادات کا ذکر ملتا ہے۔

جس وقت اہل عرب بازنطینی اور ایرانی حکومتوں کے اندر داخل ہوئے اس وقت تک یونانی سائنس ایک زندہ فن کی حیثیت سے ختم ہو چکی تھی اور ایسے اسکالرز و علماء کے ہاتھوں میں منتقل ہو چکی تھی جنھوں نے ارسطو، بقراط، جالینوس اور ارشمیدس وغیرہ کی کتابوں پر یا تو شرحیں لکھیں یا پھر جوں کا توں نقل کر دیا۔ طب یونانی کی روایت کے سب سے موثر شارحین یہ تھے۔

۱- ایٹیوس آمدی (Aetius of Amida) تقریباً ۵۵۰ء میں پروان چڑھا۔

۲- پولس اجانطی (Paul of Aegina) اجینا کے جزیرہ میں پیدا ہوا اور اسکندریہ میں تقریباً ۶۲۵ء میں نشو و نما پائی۔

۳- اسکندر طرالیسی (Alexander of Tralles) جس نے مختلف جگہوں کا سفر کیا اور آخر میں روم میں سکونت اختیار کی ۵۲۵ء میں پیدا ہوا اور ۶۰۵ء میں فوت ہو گیا۔

۴- تھیوفیل پروٹو سپیتاریس قسطنطنی (Theophilos Protospatharios) جو قسطنطنیہ (Constantinople) میں تقریباً ۶۳۰ء میں پروان چڑھا۔

عرب بلاد سے ماقبل صدیوں میں مصر کی [illegible] حکومت کو اپنے قدیم [illegible] ادب، حکمت کے احیاء اور فروغ میں کچھ کمی محسوس ہوئی پھر یہاں پر جالینوس کی اہم کتابوں کی تلخیص کر کے طبی تعلیم کے لئے ایک نئی بنیاد قائم کی گئی۔ یحییٰ نحوی اسکندرانی [illegible] (Philoponus) [illegible] کے خیالات و نظریات کے ایک بہت بڑے نحوی کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آیا۔ بقراط سے منسوب تصانیف کا خلاصہ ابتدائی دور میں اسکندریہ

کے عہدے پر فائز کیا۔ تاہم مغربی متعصب عیسائیوں کا ایک گروہ معرض وجود میں آیا اور دوسری جانب تصوف اور علم نجوم پروان چڑھنے لگا چنانچہ وہ ذہن کبھی سائنٹفک ترقی کے لئے سرسبز ثابت نہ ہوئی۔

انہی وجوہات کی بنا پر مصری یونانی اور عربی طب و سائنس کے درمیان کوئی ربط قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا اور ہم کو سریانی زبان کی دنیا کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ خود آرامی یا سریانی کا دور دن سے تیسری صدی کے بعد جنوب مغربی ایشیا کے تعلیم یافتہ طبقے میں دھیرے دھیرے یونانی زبان کی جگہ لے لی تھی اس سریانی یونانی تہذیب کے علمبردار خاص طور سے نسطوری تھے اس فرقہ کی بنیاد قسطنطنیہ کے سردار نسطوریوس (Nestorius) نے ۴۳۱ء میں ڈالی اس فرقے کے پیروکاروں کو ۴۳۱ء میں (Council of Ephesus) نے کافر قرار دیا جس کی وجہ سے یہ لوگ ایڈیسا (Edessa) منتقل ہو گئے جس کے بعد ۴۸۹ء میں بازنطینی حکمران زینو (Zeno) نے جب ایڈیسا کو تباہ و برباد کر دیا تو وہاں سے منتقل ہو کر ایران آئے اور ایران کے ساسانی حکمران نے وہاں کے طالب علموں کو اپنے دامن پناہ میں لیا۔ ان کی مشرقی سرگرمیوں کا سلسلہ اس کے بعد جو کبھی بند نہیں ہوا اور وہ ایشیا کے مرکزی مقام میں داخل ہو گئے اور مشرقی چین تک دشوار گزار سفر بھی کیا۔

نسطوری سائنٹفک مشن جس میں طبی مدرسہ بھی شامل تھا ایڈیسا (Edessa) سے نصیبین (Nisibis) منتقل ہو گیا لیکن چھٹی صدی کے نصف اول میں جنوب مغرب ایران کے شہر جندیشاپور چلا گیا وہاں عظیم الشان ہسپتال کے علاوہ ایک اکیڈمی دار الحکمت کی بنیاد ساسانی حکمرانوں نے چوتھی صدی عیسوی میں رکھی تھی۔ خسرو نوشیروان (۵۳۱-۵۷۹ء) نے اس شہر کو دانشوروں کا ایک اہم مرکز بنا دیا جہاں پر مفکرین یونان جنہوں نے ۵۲۹ء میں فلسفیانہ طرز کا اسکول بند ہونے کے بعد ایتھنز (Athens) کو چھوڑ دیا تھا۔ شامی، ایرانی اور ہندوستانی باشندوں سے ملتے آتے تھے اس طرح ایک علمی ترنج پیدا ہوا جو بعد میں فکر اسلامی کی ترقی کے لئے بہت اہم ثابت ہوا۔ خسرو نے طبی کتابوں کی تلاش و جستجو کے لئے اپنے طبیب کو ہندوستان بھیجا جو ان کتابوں کو سنسکرت سے پہلوی زبان میں منتقل کیا اور دوسری بہت سی تصانیف کو یونانی سے ایرانی یا شامی میں ترجمہ کیا گیا۔ عرب میں بھی اعتبار سے سب سے پہلا ماہر اور تربیت یافتہ طبیب وہ شخص تھا جس نے جندیشاپور کے مدرسہ طب میں طبی تعلیم کی تکمیل کی اور اس کا حوالہ قرآنی مفسر اپنی تفسیروں میں دیتے ہیں۔

سریانی زبان دانی کی دنیا میں پہلا اہم علمی شخص سرجیوس الراس عینی (Sergius of Resaina) (متوفی ۵۳۶ء) تھا وہ نسطوری نہیں تھا بلکہ یعقوبی فرقہ سے منسلک ایک عیسائی پادری تھا اور اپنے علاقے پیدائش عراق عرب (میسوپوٹیمیا) میں افسر اعلیٰ کے اہم منصب پر فائز تھا طب یونانی کے متعلق ترجمہ کو سریانی زبان میں منتقل کرنے کا کام اسی شخص نے شروع کیا۔ جالینوس کی بہت سی اہم کتابوں کا انتساب اسی کی جانب کیا جاتا ہے اور اس طرح دو صدی سے بھی زیادہ مدت تک مغربی ایشیا میں یونان کی میراث قائم ہوتی رہی یہاں تک کہ طب یونانی کو بنیاد بنا کر علماء اور حکماء خود انفرادی طبی رسالے لکھنے لگے جن میں سب سے زیادہ شہرت اہرون القس (Aaron of Alexandria) کی کتاب "کناش" کو حاصل ہوئی۔ وہ ایک عیسائی پادری اور آغاز اسلام سے قبل اسکندریہ کا طبیب تھا۔ یہ کتاب اولاً یونانی زبان میں لکھی گئی بعد میں اس کا ترجمہ یونانی پھر عربی میں کیا گیا۔ اہرون کی یہ کتاب اب باقی نہیں رہی لیکن اغلب گمان ہے کہ یہ چیچک کے موضوع پر مشتمل تھی۔ یہ بیماری قدیم یونانی طب میں نہیں ملتی ہے۔

جب اہل عرب شمالی افریقہ اور مغربی ایشیا پر چھا گئے تو انھوں نے بازنطینیہ اور فارس کے اختلافی اور سائنسی اداروں کو کافی حد تک نظر انداز کر دیا اور جندیشاپور کی اکیڈمی دار الحکمت نئے اسلامی حکمران کے سائنسی مرکزی حیثیت سے چلتی رہی۔ دور اموی میں (۶۶۱-۷۵۰ء) یہیں جہاں سے تعلیم یافتہ افراد بالخصوص اطباء دارالحکومت دمشق چلے گئے ان میں اکثر عیسائی یا یہودی تھے لیکن ان کا ماہر طب عربی طرز پر تھا اہرون القس کی کتاب کناش (Pandects) کا عربی میں ترجمہ کرنے والا ایک یہودی تھا جس کا نام ماسرجویہ (ماسرجیس) بصری تھا۔ اموی خلفاء کے دربار میں سائنسی ماحول نہ ملا ان کے متعلق تاریخ تقریباً خاموش ہے۔

۲۔ دور ترجمہ (۷۵۰ء تا ۹۰۰ء) دور عباسیہ جس کا آغاز ۱۳۲ھ سے ہوتا ہے دراصل اسلامی حکومت کی کامیابی، شان و شوکت اور اس کے جاہ و جلال کا ایک مظہر ہے۔ طلوع آفتاب ہی کے وقت ایک مسلمان کی تصویر اس طرح ابھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ اس کا عکس مشرق میں دور دراز کی سائنس پر بھی پڑتا ہے جیسا کہ مغرب میں۔

جابر بن حیان الصوفی جس کو قرون وسطی میں اہل مغرب گیبر (Geber) کے نام سے جانتے تھے کوفہ میں ایک عربی دواساز کا بیٹا تھا۔ اس نے ایک طبیب کی حیثیت سے پریکٹس کی البتہ طبی تصانیف کا کوئی قابل ذکر ذخیرہ ہم کو نہیں ملتا۔ اہرون سے متعلق کچھ تحریرات کا انتساب اسی کی جانب کیا جاتا ہے۔ جابر بن حیان کیمیا

(ابو زکریا) کی حیثیت سے مشہور و معروف تھا، اس مضمون کو ترتیب دیتے وقت جو شواہد ملے ان سے پتہ چلتا ہے کہ جن کاموں کا انتساب اس کی جانب کیا جاتا ہے ان کا تعلق دسویں صدی سے ہے۔

دوسرے عباسی خلیفہ منصور کے زمانے میں دوبارہ یونانی حکمت کے تراجم کا کام شروع ہوا جس کا مرکز جندیشاپور تھا، ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ خلیفہ بیمار ہوا تو بختیشوع کے عیسائی خاندان کے مخصوص معالج جورجیس کو وہیں سے طلب کیا گیا، اسی خاندان کے دوسرے ممبر سے بعد میں خلیفہ الہادی (متوفی ۷۸۶ء) اور ہارون الرشید (متوفی ۸۰۹ء) نے مشورے حاصل کئے، بختیشوع خاندان میں نسلوں تک ممتاز اور ماہر اطباء کا سلسلہ چلا اور آخری نسل کا وجود گیارہویں صدی کے نصف تک باقی رہا، بلاشبہ بختیشوع اول کی دانشمندی اور حکمت و دانائی تھی کہ خلفاء طب یونانی کو اپنی سلطنت کے اطباء کے درمیان فروغ دینے پر مجبور ہوئے۔

تراجم کا بیشتر کام نویں صدی عیسوی میں ہوا۔ سرجیوس (Sergius) کے قدیم شامی نسخے پر نظر ثانی کی گئی اور اس میں جگہ جگہ اضافے کئے گئے، مترجمین کی جماعت میں زیادہ تر نسطوری عیسائیوں کی تعداد تھی ان کو یونانی، شامی، عربی اور فارسی زبان پر عبور حاصل تھا، ان میں سے بیشتر نے اولاً شامی زبان میں لکھا، یوحنا ابن ماسویہ (متوفی ۸۵۷ء) جو کہ نصف صدی تک ہارون رشید کے جانشینوں کا علاج کرتا رہا، نے زیادہ تر طبی کتابیں عربی زبان میں لکھیں۔ عام طور سے شامی زبان میں کتابیں صرف عیسائی شاگردوں اور دوستوں کے لئے تیار کی گئیں اور عربی کتابیں مسلمانوں کے لئے لکھی گئیں جو کہ خود صاحب علم و فن تھے۔

خلیفہ المامون کے دور خلافت (۸۱۳ - ۸۳۳ء) میں جدید تعلیم بام عروج کو پہنچ گئی، اس نے بغداد میں تراجم کے لئے ایک مستقل مدرسہ قائم کیا جس میں لائبریری کی تشکیل بھی عمل میں آئی۔ مترجمین میں حنین بن اسحٰق (۸۰۹ - ۸۷۷ء) کا نام سرفہرست آتا ہے۔ وہ ایک مقبول فلاسفر اور کامیاب طبیب تھا، وہ اپنی صدی کے مترجمین پر فوقیت رکھتا تھا، اس کی حال ہی میں مطبوعہ کتاب [illegible] سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جالینوس کی تصانیف کے وسیع ذخیرے کو کسی طور سے ترجمے کے قالب میں ڈھالا، اس نے جالینوس کے طبی اور فلسفیانہ کتب میں سے تقریباً ۳۹ کتابیں عربی میں اور (۱۰۰) کتابیں سریانی میں منتقل کی ہیں۔ اس کے شاگردوں میں سب سے زیادہ مشہور اس کا بیٹا اسحٰق اور بھتیجا حبیش الاعسم (ایک ہاتھ والا) تھا۔ انھوں نے ۱۳ سریانی اور ۱۰ عربی ترجمے پیش کئے، اس طرح سے یونان کے کثیر تعداد علمی مصنفین کی مکمل میراث کو دنیائے

اسلام کی جانب منتقل کر دیا گیا۔

جالینوس کے نظریات میں جو مرکزیت کا رجحان پایا جاتا ہے اس کی جانب حنین کی دلچسپی ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہے۔ یہ حنین بن اسحٰق ہی کا کارنامہ تھا، جس کے جالینوس کو مشرق اور مغرب میں ہر جگہ عہد وسطیٰ میں اعلیٰ مقام تک پہنچایا۔ بقراط کی کتب کے متعلق مجھے معلومات فراہم نہ ہو سکیں لیکن حنین نے فصول بقراط (Aphorisms) کا ترجمہ کیا اور یہی عہد میں اہل عرب کے لئے کلاسیکل ثابت ہوا اور انھوں نے اس پر بے باکانہ شرح لکھی۔

بقراط کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ حنین کے شاگردوں نے کیا جس پر خود اس نے نظر ثانی کی اور جو شرحیں جالینوس نے خود بقراط پر لکھی تھیں تقریباً ان سب کو سریانی اور عربی میں منتقل کیا۔ مزید برآں حنین نے اوریباسیوس (۳۲۵ - ۴۰۳ء) کی عظیم کتاب "Synopsis" کا، پولس دی ولس اجانیطی کی "کتاب السبعین" اور دیسقوریدیس (جو تقریباً ۶۰ء میں پیدا ہوا) کی مشہور کتاب "الادویہ المفردہ" کا ترجمہ کیا جو کہ اپنے تراجم کے مقابلہ میں کافی مقبول ہوا۔ دسویں صدی کے نصف آخر میں اسپین میں اس کا دوبارہ ترجمہ عربی میں کیا گیا۔ دیسقوریدیس (Dioscorides) کے عربی تراجم کے مخطوطات اب بھی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ عربی کے جن ترجموں کو حنین کی جانب منسوب کیا جاتا ہے ان میں ارسطو کی مختلف طبی کتابوں اور یونانی عہد نامہ قدیم کے علاوہ دیگر یونانی اطباء [illegible] کی تصنیفات بھی شامل ہیں۔ حنین کے تراجم کے مخطوطات قسطنطنیہ کی لائبریری میں محفوظ ہیں [illegible] سے مطابق پیدا کیا گیا ہے اور بغیر کسی اضافے کے اس کی صحت اور درستگی بیان کا خیال رکھا گیا ہے۔ حنین کی اعلیٰ صلاحیت کی بنا پر دوسرے مترجمین بھی اپنے ترجموں کو اسی کی جانب منسوب کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔

حنین کے تراجم کی تعداد جتنی ہے تقریباً اتنی ہی خود اس کی تصانیف ہیں، اس فہرست میں جالینوس کی تصنیفات کی بہت سی تلخیصات و شروح اور درسی کتابوں کی شکل میں طلبہ کے لئے کچھ اہم نکات اور اقتباسات بھی شامل ہیں۔ اہل فارس اور اہل عرب کے نزدیک اس کی سب سے زیادہ مقبول اور مستند کتابیں دو تھیں:

۱۔ المسائل فی الطب (QUESTIONS ON MEDICINE)

۲۔ کتاب العشر مقالات فی العین (TEN TREATISES ON THE EYE)

جالینوس کی اہم کتابوں کی اصل یونانی نسخے اگرچہ اب ناپید ہو چکے ہیں پھر بھی حنین اور اس کے شاگردوں نے عربی میں ترجمہ کر کے رہتی دنیا تک کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔

حنین ابن اسحٰق کے متعدد ہم عصر تھے جن کو عمدہ مترجمین کی حیثیت سے جانا جاتا ہے اس کے علاوہ تقریباً ۹۰ شاگرد تھے جنھوں نے اسی میدان میں کام کیا لیکن بہت زیادہ اہمیت کے حامل نہیں تھے۔ عمدہ مترجمین کی فہرست میں حنین کے بھتیجے حبیش، اسحٰق بن حنین اور حران کے ثابت بن قرہ (۸۲۵-۹۰۱) اور قسطا بن لوقا آتے ہیں۔ ثابت بن قرہ کے علاوہ سب لوگ عیسائی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ثابت خود ستارہ پرست (صابی) تھا حنین اور حبیش نے انفرادی طور سے بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا اور ان کے ساتھیوں نے بیشتر وقت طبیعات، ارضیات، فلسفہ اور نجوم پر لگایا۔ ان تمام مضامین پر ان کی سیکڑوں تصانیف موجود ہیں۔

نویں صدی کے نصف اول میں سریانی زبان میں سائنسی کاموں کی کافی اہمیت بڑھی لیکن جوں ہی عربی کا دور دورہ شروع ہوا علمی کاموں کا سلسلہ دراز ہوتا گیا اور دھیرے دھیرے جندیشاپور کا قدیم طبی ادارہ زوال کا شکار ہونے لگا۔ مشہور اطبا اور نامور سائنسداں جندیشاپور سے بغداد اور سامرا کی طرف کوچ کرنے لگے۔

۸۵۶ء میں خلیفہ المتوکل نے بغداد میں دوبارہ لائبریری اور دارالترجمہ کی بنیاد ڈالی اور حنین کو اس کا نگراں مقرر کیا اور مترجمین نے عیسائی اسکالرز کے لئے وسائل و ذرائع فراہم کئے تاکہ وہ یونانی مخطوطات کو مختلف مقامات سے تلاش کر کے بغداد لائیں اور ان کے ترجمے کئے جائیں خود حنین جالینوس کی کتاب کے سلسلے میں جو اب نایاب ہے، یوں رقمطراز ہے:

"میں نے اس کو سنجیدگی سے تلاش کیا اور اس کی خاطر شام، فلسطین، مصر، جزیرہ نما عرب اور اسکندریہ کا سفر کیا لیکن مجھے صرف اس کا نصف حصہ دمشق میں دستیاب ہوا۔"

حنین کا بیان ہے کہ میں ترجمہ کے لئے یونانی کتابوں کے کم از کم تین نسخے اپنے سامنے رکھنے کی کوشش کی تاکہ دونوں میں مطابقت پیدا ہو سکے اور اس کی صحت برقرار رہ سکے، در اصل ایک ایڈیٹر یا مترجم کی یہ عظیم ذمہ داری ہوتی ہے۔

جہاں تک بغداد میں علم طب کے تعلق کا تعلق ہے تو حنین کی مطبوعہ کتاب ۱۹۲۵ء سے معلوم ہوتا ہے کہ یونانی روایات [illegible] جالینوس کی ۲۰ کتابوں کے ترجمہ

کا مطالعہ کس طرح سے کیا جاتا تھا اس سلسلے میں حنین لکھتا تھا۔

"اسکندریہ کے دوستانِ طب کے طلبہ جالینوس کی ان کتابوں کو اسی ترتیب سے پڑھتے تھے جس ترتیب کو میں نے اپنی فہرست میں اپنایا ہے۔ معیاری تصانیف کو پڑھنا اور آپس میں مذاکرہ کرنا ان کا روزانہ کا مشغلہ بن چکا تھا جس طرح سے کہ عیسائی آج ہمارے زمانے میں تعلیمی اداروں میں روزانہ ملتے ہیں اور قدیم زمانے کی اہم کتابوں کے معیاری مضمون پر تبادلۂ خیال کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا کتابوں کے تعارفی مطالعہ کے بعد جالینوس کی دیگر کتابوں کو بھی ان میں سے ہر ایک بڑے شوق سے پڑھتا تھا جس طرح کہ ہمارے دوست اطباء قدیم کی کتابوں کی توضیحات کے ساتھ پڑھتے ہیں۔"

اس دور میں اور اس کے بعد بھی بغداد کی مسجدوں اور اسکولوں میں درس و تدریس کی پوری اجازت ہو گئی۔ یونانی کتابوں اور ان کے اقتباسات کے تراجم کے علاوہ، مترجمین نے ذاتی طور سے تصنیفی کام بھی انجام دیا۔ جن میں عربی دور تعلیم کی شاہکار کتاب "الکناش" (Pandects) ہے۔ اس میں پوری میڈیسن کا بالاجمال جائزہ دیا گیا ہے۔ اور سر سے پیر تک بالترتیب تمام اعضاء پر ان دواؤں کے استعمال سے پیدا ہونے والے اثرات پر بحث کی گئی ہے۔ ان میں سے اکثر اجزاء غائب ہو گئے۔ کچھ دنوں قبل قاہرہ میں ایک حصہ دوبارہ شائع ہوا تھا جس کو ثابت بن قرہ (۸۲۵-۹۰۱ء) کی جانب سے منسوب کیا گیا تھا جو کہ طبیب کی حیثیت سے کم اور مترجم اور منجم کی حیثیت سے زیادہ معروف ہے۔ اس مجموعہ کو ۳۰ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جس میں زیادہ تر حفظان صحت، غذائی اور عام ظاہری بیماریوں مثلاً امراض جلد پر بحث کی گئی ہے ایک باب ایسا ہے جس میں از سر تا پا بالترتیب جسم کے مختلف حصوں کے امراض مثلاً امراض صدر، امراض معدہ، امراض امعاء وغیرہ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ اس کے بعد دوسرے باب میں متعدی بیماریوں مثلاً حمیٰ، جدری اور زہر کے اثرات کا بیان ہے۔ پھر دوسرے ابواب میں آب و ہوا، کسر عظام، خلع عظام (ہڈی کا اپنی جگہ سے ہٹنا)، غذا، نباتات اور آخر میں جنسی امراض کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ ہر مرض کے اسباب، علامات و نشانیاں اور علاج کو بہت واضح طور سے تحریر کیا گیا ہے اور جگہ بجگہ شامی اور یونانی مصنفین کے حوالے بھی دیے گئے ہیں۔

طبی لٹریچر کی دوسری قسم جو کہ عرب اسکالر کے حق میں تھی، سوال و جواب کی شکل میں تھی۔ اصطلاحات کی کتابوں کے سیکڑوں مخطوطات محفوظ ہیں، کی وجہ سے طب عربی کے تعلیمی پہلو کو اجاگر کرنے میں کافی

حــــــــــواشــــــــــی

۱ جابر بن حیان تقریباً ۷۷۶ء میں کوفہ میں پروان چڑھا۔ ہارون الرشید کے مقرب وزیر برمکی کے خاندان سے اس کا بہت گہرا تعلق تھا۔ ۸۰۲ء میں برامکہ کے زوال میں خود بھی شریک تھا۔ اس کی وفات، اس کے والد کی جائے پیدائش کوفہ میں ہوئی جہاں کہ ۱۰۰ سو سال بعد تک ثابت کھودنے کے بعد اس کی تجربہ گاہ (لیبوریٹری) کا پتہ چلا۔ (مترجم)

۲ یہ دراصل ایک بھی انسائیکلوپیڈیا ہے جو ۲ کتابوں پر مشتمل ہے اور یہ ۲۰ پاسیوں میں اور جامعیت میں بھی ہے روایت اسلامی اس کے ساتھ Gynaecology اور Sociology کی دوسری کتابیں بھی منسوب کرتی ہیں۔ طب اسلامی پر اس کا بہت گہرا اثر تھا۔

(مترجم از اسٹرونگ کسن ٹوہسٹری آف سائنس ص ۳۷۹)

(بقیہ تعارف و تبصرہ)

تختے ہو کر یہاں آ جاتے پھر بھی ان کا ثابت کرنا مشکل ہو تا کہ وہ کشتی نوح ہی کے ٹکڑے ہیں۔ ۵

اس کتاب میں تاریخی واقعات، حالات اور بزرگوں کے تعارف میں مصنف کے قلبی واردات اور جذبات چھائے ہوئے ہیں اور مطالعہ کی کاشت سے احساس ہوتا ہے۔ بہتر ہوگا اگر مصنف اس کتاب پر وقت صرف کریں اور تحقیق و جستجو کے بعد اس کو دوسرے تو مرتب کریں۔

حــــواشــــی

۱ ابو قبیس: مکہ کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے۔

۲ طبری نے اس پہاڑ کا نام بُوذ و ردہم بتایا ہے اور اس کو ہندوستان میں بتایا ہے۔ ص ۱۲۲

۳ الکامل ج ۱ ص ۲۲، ابن اثیر تاریخ طبری جلد اول ص ۱۳۲

۴ الکامل ج ۱ ص ۸۸ "فمقام یعقوب بمصر واھلہ معہ سبع عشر سنۃ وقیل غیر ذلک واللہ اعلم۔ ولما مات یعقوب اوصی الی یوسف ان یدفنہ مع ابیہ اسحاق ففعل یوسف فسار بہ الی الشام فدفنہ عند ابیہ ثم عاد الی المصر" حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ ۱۷ سال ٹھہرے رہے اور جب ان کا انتقال ہوا تو انھوں نے حضرت یوسف کو وصیت کی کہ ان کو ان کے والد اسحاق کے ساتھ دفن کیا جائے، چنانچہ حضرت یوسف نے ایسا ہی کیا ان کو لے کر شام گئے ان کو ان کے والد کے پاس دفن کیا اور پھر مصر واپس چلے آئے۔

۵ سیرت سرور عالم ج ۱ ص ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸ نیز اس سے متعلق قرآن کی آیتیں، مولانا مودودی

محمد طارق فلاحی بھوپالی

دعا کیجئے

براد طارق بھوپالی فلاحی صاحب کے گھر دو حادثے تھوڑے سے وقفہ سے ایک ساتھ ہوئے۔ ادارہ اس غم میں برابر شریک ہے اور خدا سے دعا ہے کہ مرحوم کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ کرے اور جنت میں بہترین جگہ عطا کرے نیز پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے قارئین سے بھی دعا کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

تھانہ دہلی، ۲۹ ستمبر ۸۶ء

برادر نور محمد صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شاید آپ کے علم میں یہ نہ ہو کہ اعظم گڈھ سے واپسی کے بعد ہم پر کیا افتاد پڑی اور پروردگار کی طرف سے کیسی کیسی آزمائش ہوئی۔ تھے بھائی جان جو ہم سب کو درس والے فلاح آئے تھے، ۳۰ جولائی کو حرکت قلب بند ہو جانے سے اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ ابھی ہم لوگ اس غم میں مبتلا ہی تھے کہ ان کا بڑا لڑکا، محمد عمر جو فلاح گیا تھا، ۲۰ ستمبر کو سیلابی ندی میں مبتلا ہو کر چل بسا۔ ہم اپنی صحیح حالت پر نہیں ہے، چند روز کے لئے بال انا للہ وانا الیہ راجعون پھر واپسی ہوگی۔ سوچا آپ حضرات سے دعائے مغفرت کی درخواست کر ا دوں۔ آپ حیات کے قریبی شمارے میں دعائے مغفرت کیلئے چند سطری مضمون یا درخواست شائع کرا دیں۔ بہت سے بھائیوں کی دعا ہو جائے گی۔

بھائی جان مرحوم کا نام عبد العزیز خان ابن عبد الرزاق خان تھا۔ انھوں نے مدرسۃ الاصلاح میں چند ماہ تعلیم پانے کے علاوہ مرکزی درسگاہ رامپور سے فراغت حاصل کی تھی۔ یہاں کاشتکاری کے علاوہ ٹھیکیداری بھی کر رہے تھے۔ گاؤں پنچایت کے سرپنچ بھی رہے تھے۔ علاقہ کی ہر دلعزیز شخصیت تھے صاحب اثر و رسوخ تھے ہر شخص بلا تفریق مذہب و ملت کے کام آنا ان کا پسندیدہ کام تھا۔

پسماندگان میں اہلیہ ۔۔۔ [illegible] ۔۔۔ جن کی عمریں بالترتیب ۱۲ سال

(بقیہ صفحہ ۳۰ پر)

رفیق افغان

جہاد افغانستان

کابل پوری طرح مجاہدین کی گرفت میں ہے

قصرِ صدارت، وزارتِ دفاع اور روسی سفارتخانہ پر حملے روزمرہ کا معمول بن گئے ہیں

دارالحکومت کابل، شدید جنگ کے شعلوں کی لپیٹ میں ہے۔ شہر کے اندر اور اطراف میں مجاہدین کی بڑھتی ہوئی کارروائیوں کے سبب موجود کٹھ پتلی کابل انتظامیہ کا مستقبل مشکوک نظر آتا ہے۔

روسی جارحیت کا سب سے بڑا ہدف کابل شہر اور اس کے اطراف میں متعین ہے۔ روسیوں نے کابل شہر کی حفاظت کے پیش نظر شہر کے چاروں طرف ۵۰۰ میٹر سے بھی کم درمیانی فاصلے پر بنائی جانے والی حفاظتی چوکیوں اور ان کے مابین مسلح گشت پر مشتمل تین حفاظتی دائرے بنائے ہیں۔ شہر کے اندر داخل ہونے والے یا باہر آنے والے کسی بھی فرد کو یکے بعد دیگرے تین مقامات پر بھرپور تلاشی دینی پڑتی ہے۔ تمام چوکیوں کا باہمی رابطہ وائرلیس کے ذریعے قائم رہتا ہے۔

مزید برآں یہ کہ وقتاً فوقتاً روسی جنگی جہاز، ہیلی کوپٹر اور گن شپ شہر کے اطراف میں چکر لگاتے ہیں اور یہاں موجود پہاڑی سلسلوں پر تیغ ستم آزماتے ہیں۔ یہ پہاڑی سلسلے مجاہدین کی کمین گاہیں ہیں جو ہر قسم کی کارروائیوں کے لئے حفاظتی پناہ گاہ کا کام دیتی ہیں۔

اندرونِ شہر جا بجا روسی سپاہی، خاد کے ایجنٹ، ملیشیا کے نامزد افراد یا نام نہاد کابل افواج کے سپاہی ہر مشکوک فرد کی تلاشی اور اس کے شناختی کاغذات کی چیکنگ کرتے رہتے ہیں۔ گزشتہ سات سال سے رات ۱۰ بجے سے صبح ۴ بجے تک مسلسل کرفیو کا انتظام، کابل انتظامیہ کی "مقبولیت" اور عوامی سند پسندیدگی کی واضح علامت ہے۔

ان تمام اقدامات کے باوجود مجاہدین نہ صرف کابل شہر میں موجود ہیں اور وہ اپنی موجودگی کا احساس بھی نمایاں کارروائیوں سے دلاتے ہیں بلکہ باہر سے داخل ہونے والے مجاہدین نے بھی روسیوں کا ناطقہ بند

کیا ہوا ہے۔ یہی حال پورے افغانستان کا ہے چنانچہ سال گزشتہ جنگ کے اعتبار سے بہت "گرم" ثابت ہوا ہے۔ اس سال کی مجموعی کارروائیاں گزشتہ کئی سالوں کی نسبت زیادہ وسیع رہیں۔ خود کابل ماسکو ذرائع سے نشر ہونے والی خبروں کے مطابق ۱۹۸۵ء میں مجاہدین کے خلاف کئے جانے والے بڑے آپریشنز کی تعداد ۲۰۵ تھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ سب سے زیادہ آپریشن افغانستان کی شمالی سرحدوں پر جو روس سے ملحق ہیں پر کئے گئے۔ گویا مجاہدین کی سرگرمیاں ان علاقوں میں جنوبی سرحدات کی نسبت زیادہ رہیں۔

محتاط اعداد و شمار کے مطابق سال ۱۹۸۵ء میں ۱۲۰۰۰ ہزار افغان روسی فوجی [illegible] سپاہیوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے اور اب عالم یہ ہے کہ مجاہدین نہ صرف افغانستان کے طول و عرض میں روسیوں کے لئے وبال جان بنے ہوئے ہیں بلکہ وہ پیش قدمی کرتے ہوئے دوسری طرف روسی علاقوں میں داخل ہو کر روسی چھاؤنیوں اور اہم مقامات پر بھرپور حملے کر رہے ہیں۔ ایسا ہی ایک حملہ صرف ۹ مجاہدین نے اسی سال ۲۲ مارچ کی رات کو کیا جب انہوں نے صوبہ تخار کے قریب روسی سرحد عبور کی اور روسی سرحد کی حفاظت کرنے والے کے جی بی کار [illegible]، بیرونی افواج اور باقاعدہ افواج پر مشتمل تین حفاظتی زون عبور کرنے کے بعد، قصبہ "وخش" میں قائم روسی چھاؤنی پر بھرپور حملہ کر دیا۔ تخار ذرائع کے مطابق ۴۳ روسی سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس حملے کے دوران ۳ مجاہدین شہید ہوئے اور ۴ زخمی ہو گئے جنہیں گرفتار کر لیا گیا۔ جبکہ بقیہ دو مجاہدین واپس آنے میں کامیاب ہو گئے۔

یہ حملہ روسیوں کے اعصاب پر [illegible] افغانستان [illegible] شدید ردعمل کا واضح اظہار ثابت ہوا۔ دوسری طرف کابل انتظامیہ کے سپاہیوں اور افسروں کا مسلسل فرار اور اسلحہ سمیت مجاہدین سے آملنے کے واقعات میں تیزی سے اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس عمل سے نہ صرف کابل افواج کی قوت کا زوال نمایاں ہو رہا ہے بلکہ مجاہدین کی صفوں میں افرادی قوت کے اضافے کے ساتھ ساتھ بہتر اور جدید اسلحہ، تازہ ترین معلومات اور عمدہ جنگی تربیت کی شرح میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اسی امر پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے PDPA کے جنرل سیکرٹری ڈاکٹر نجیب کو ۲ اگست کو کابل میں منعقدہ ڈیموکریٹک یوتھ آرگنائزیشن کے اجلاس میں یہاں تک کہنا پڑا کہ "افواج کے فرار میں مسلسل اضافہ ہمارے لئے نہایت شرمناک اور خطرناک ہے اور ہمیں چاہیے کہ ہم اس عمل کی روک تھام کے لئے مؤثر کوشش کریں۔"

فوج سے سپاہیوں کے فرار میں مسلسل اضافہ ہمارے لئے نہایت تشویشناک ہے
نجیب اللہ کا اعتراف

اس کے ساتھ ساتھ نجیب اللہ نے اسلام سے اپنے لگاؤ کا "اظہار" اپنی تقریر میں بسم اللہ کے کثرت استعمال، روسی بمباری سے تباہ شدہ مساجد کے دوروں اور دین فروش علماء کے جرگوں میں شرکت سے بھی کیا ہے۔ چنانچہ پچھلے ماہ ہرات کی جامع مسجد کے دورے کے موقع پر (جو روسی بمباری سے تباہ ہو گئی ہے) اسے دوبارہ تعمیر کرنے کا وعدہ بڑے زور و شور سے کیا گیا۔

۱۹۷۵ء میں شائع ہونے والی افغان اٹلس کے مطابق افغانستان کی کل آبادی ۱۶ ملین تھی جبکہ کابل شہر کی آبادی ۷ء۰ ملین بتائی گئی تھی۔ آج کا کابل ۲ ملین سے زیادہ افراد کا مسکن ہے چونکہ کابل صوبے میں عموماً اور شہر کے مضافات میں خصوصاً شدید ترین بمباری کی گئی۔ چنانچہ مضافات کے رہنے والے افراد کی بڑی تعداد نے پاکستان اور کچھ نے کابل کا رخ کیا، پھر ملک کے دوسرے حصوں سے بھی کچھ تعداد کابل آگئی۔ چنانچہ اب کابل شہر کی گنجان آبادیاں مجاہدین کا بہترین مسکن ہیں۔ جو نہ صرف انہیں پناہ، خوراک، معلومات اور دیگر وسائل مہیا کرتی ہیں بلکہ علاوہ ان کے حملوں میں شرکت کے لئے نوجوان بھی فراہم کرتی ہیں۔

۱۰ اپریل ۱۹۸۵ء کو "قلعہ علی مردان" کوہ سنگی کے قریب عصر اور مغرب کے درمیان ۷ مجاہدین نے خاد کے ایک انتہائی ذمہ دار افسر "گل محمد کوٹوالی" کو جو عبداللہ سروری کا بھائی تھا، گھیر لیا اور گولیوں میں اسے ختم کر دیا۔ اسی دوران ۳ روسی ایک گاڑی میں سوار وہاں پہنچ گئے مجاہدین نے انہیں بھی جہنم واصل کیا اور ان کا اسلحہ لے کر فرار ہو گئے۔

۱۹۸۵ء کے آخر میں سنٹر افشار، دارالامان اور قلعہ جبار خان میں ایک بہت بڑا روسی کنوائے ٹھہرا تو مجاہدین کنوائے کے قریب پہنچ گئے اور پہرے پر موجود روسی سپاہی سے سرکاری، حتیٰ کہ مختلف اشیاء خریدنے کی خواہش ظاہر کی۔ دراصل روسی افواج کی اکثریت اپنا ذاتی اور سرکاری سامان نشہ آور اشیاء یا کھانے پینے کے مختلف سامان کے حصول کے لئے بھی چوری چھپے بیچ دیتی ہیں۔ ان میں ہتھیار بھی شامل ہیں۔ روسی سپاہی نے آمادگی کا اظہار کیا۔ سودے کی تفصیلات طے کرنے کے لئے مجاہدین اسے ذرا دور لے گئے جہاں ایک قدرتی گڑھا موجود تھا۔ دو مجاہدین اس سے بھاؤ تاؤ کرنے لگے، اچانک تیسرا (جو

گڑھے میں چھپا بیٹھا تھا) آ پہنچا اور سپاہی ڈر کے مارے گڑھے میں گر پڑا۔ بیک وقت ۳ مجاہدین ایک ساتھ اس پر کود پڑے اور گڑھے میں ہی اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ چوتھا مجاہد پہرے پر رہا۔ مجاہدین اس کا اسلحہ لے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ واضح رہے کہ روسی ٹینکوں کی خاصی تعداد وہاں سے بہت قریب موجود تھی تھوڑی دیر بعد سپاہی کے مارے جانے کا انکشاف ہوا تو کنوائے میں سنسنی پھیل گئی اور پورے علاقے کو گھیر لیا گیا گھر گھر تلاشی ہوئی لیکن مجاہدین اس موقع سے بہت دور اپنے محفوظ مستقر میں آرام کر رہے تھے۔

ایک اور دلچسپ واقعہ جو ۱۹۸۵ء میں پیش آیا اور جس کی تفصیلات کا خود روسی کابل انتظامیہ کو بھی علم نہ ہوگا۔ ببرک کارمل کے انتہائی اہم فرد اور اس کے خصوصی پیر و مرشد عبدالسلام کی گمشدگی ہے۔ کارتہ چہار میں آرائش گیسو کی ایک دکان کا مالک، ببرک کارمل اور چند دیگر اہم افراد سے خصوصی روابط رکھتا تھا۔ مجاہدین کی سرگرمیوں کے بارے میں ہر اطلاع آگے پہنچاتا اور ان کے حامیوں کے گھر چھاپے ڈلوانا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔

عبدالستار کو ہر دوسرے تیسرے دن ایک سرکاری "وولگا" کار "پل سوختہ" کے قریب ایک جگہ سے قصر صدارت لے جاتی اور پھر واپس چھوڑ جاتی۔

یہ ۱۹۸۵ء کے گرمی کی بات ہے جب ایک شام عبدالستار اپنی دکان بند کر کے "پل سوختہ" کے علاقے میں پہنچا۔ خلاف معمول سرکاری "وولگا" کار غائب تھی اور ایک اور کار اس کا انتظار کر رہی تھی، وہ ٹھٹکا لیکن اجنبی کار کا ڈرائیور اس کے پاس آیا اور وضاحت کی کہ "وولگا" کار روانہ ہو گئی تھی لیکن راستے میں اس کا انجن جواب دے گیا چنانچہ فوری طور پر دوسری کار کا انتظام کیا گیا ہے۔ شناختی کارڈ اور متعلقہ حوالوں سے مطمئن ہونے کے بعد عبدالستار کار میں سوار ہو گیا۔ جس میں مزید ۲ افراد بھی موجود تھے جنہوں نے اپنے اپنے شناختی کارڈ اسے دکھائے۔

جوں ہی ہجوم کے راستے سے ہٹ کر کار نے اپنا رخ موڑا، مجاہدین نے بھی جیبوں سے سرخ مرچیں اس کی آنکھوں میں جھونک دیں۔ اس نے فوراً پستول نکالنے کی کوشش کی جسے مجاہدین نے ناکام بنا دیا۔ محفوظ مقام پر پہنچ کر اسے ... جب اسے بتایا گیا کہ اغوا کرنے والے خلقی ہیں اور یہ کہ وہ خود بھی پرچمی تھا، تو اس نے فوراً اپنے خصوصی روابط اور تعلقات کے انکشافات اور حوالے دینے شروع کر دیئے۔ بالآخر مجاہدین نے اس پر مکمل کیفیت واضح کر دی۔ اب اس نے بغیر ... اور مجاہدین کی

قتل نہیں شروع کر دیں۔ مجاہدین کی خصوصی اسلامی عدالت نے اسے موت کی سزا سنائی اور دو ہیں اسے جہنم واصل کر دیا گیا۔ کچھ دن میں اسے دوسرے کے زمین پار کر دی گئی۔

درحقیقت کابل شہر پوری طرح مجاہدین کی گرفت میں ہے وہ جب اور جہاں چاہتے ہیں جان کی بازی لگا کر جہاد کے الفت میں قدم رکھ دیتے ہیں اور اب تو علاقہ دارالامان، قصر صدارت، روسی سفارت خانے اور وزارت دفاع پر ان کے حملے معمول کی حیثیت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔

وہ جنگ کے واقعات کا نمونہ تھے تو خود آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ یقین کیجئے ان ہزاروں واقعات میں سے چند ہیں جو بے شمار نمونہ مجاہدین کے قوت اسیجوں میں محفوظ ہیں اب ایک تازہ ترین کارروائی کا احوال بھی سن لیجئے۔

۱۰ مارگست وہ روز کو مجاہدین نے کابل شہر سے ۔۔ کلو میٹر دور مغرب میں واقع کارغہ کے علاقے میں ڈویژن نمبر ۸ کے سب سے بڑے ایمونیشن ڈپو کو دھماکے سے اڑا دیا۔ یہ ڈپو جو ۹ عدد علاقوں پر مشتمل تھا ریزہ ریزہ ہو کر رہ گیا۔ دھماکے کی آواز میلوں تک سنی گئی اور اس کے نتیجے میں بھڑک اٹھنے والی آگ پر کئی روز تک قابو نہ پایا جا سکا۔ ... ۳۰۰ سے زائد روسی کاردل سپاہی کیفر کردار کو پہنچ گئے اور بے شمار زخمی ہو گئے۔

اس کارروائی کو کسی طور بھی دبایا نہیں جا سکتا تھا۔ چنانچہ کابل ریڈیو نے ہرزہ سرائی کچھ اس طرح زبانی کہ یہ دھماکہ جائے حادثہ پر کسی ٹیکنیکل خرابی کا نتیجہ تھا۔ ع

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

اندرون شہر کابل سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق شہر میں روز افزوں حالات کا حال بہت برا ہے اکثر سڑکیں روسی ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کی کثرت آمد و رفت کے سبب ناکارہ ہو چکی ہیں روسیوں کے نزدیک شہر سے ۔ ابر رہا ۔ شدید مضطرب کی علامت ہے۔ کھانے پینے کی اشیاء اور ایندھن خصوصاً جلانے کی لکڑی کی فراہمی ایک ادھوری بن کر رہ گئی ہے۔ صرف سرکاری افسران کو خصوصی کوپن جاری کیے جاتے ہیں جن کی مدد سے وہ اشیائے صرف خرید سکتے ہیں۔ ۱۳ سال کی عمر کے ہر افغان نوجوان کے لیے جبری بھرتی کا قانون نافذ کیا گیا ہے۔ جبری بھرتی کی خصوصی مہم چلائی جاتی ہیں اور طے شدہ منصوبے کے تحت پورے علاقے کی ناکہ بندی کر کے گھر گھر تلاشی لی جاتی ہے۔ نوجوان برآمد ہونے کی صورت میں اسے فوراً بھرتی سکولوں میں روانہ کر دیا جاتا ہے جہاں سہ ماہ کی ابتدائی تربیت کے بعد اسے کسی بھی محاذ پر روانہ کر دیا جاتا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق

(بقیہ صفحہ ۳۰ پر)

غزلیں

محبوب عالم

رہے گا یوں ہی نظام گلشن تو یہ نغمے جفا کریں گے
چمن کو تاراج کرنے والے چمن کو آباد کیا کریں گے
جو راہ الفت سے ہیں گریزاں وہی بنے ہیں چمن کے نگراں
جنہیں شعور وفا نہیں ہے بھلا وہ کیسے وفا کریں گے
کہیں پہ ظلم و ستم کی آندھی کہیں پہ رنج و الم کی باتیں
جہاں رہا ہے ملک بھر میں ہمارے دل اب ہم کیا کریں گے
لہو ہمارا جہاں گرے گا وہیں نیا اک چمن بنے گا
ہر اک برگ شجر سے تا دم وفا کے غنچے کھلا کریں گے

شفیق اعظمی

نیرنگ کائنات میں کیا کیا دکھائی دے
کوئی اک روپ دوسرا ترا دکھائی دے
دنیائے کائنات میں ہر چیز ہے گراں
اک خون ہے آدمی کا جو سستا دکھائی دے
کافر ترے وجود کے منکر ہوئے تو کیا
جس سمت دیکھئے ترا جلوہ دکھائی دے
اس دور میں تو کوئی کسی کا نہیں شفیق
بس ایک غم ہے ساتھ جو اپنا دکھائی دے

ڈاکٹر ایم اقبال راہی جیراجپوری

آئینہ تو دیکھ وقت کے دھاروں کا مزاج
اب نہ دنیا کی تمنا ہے نہ یادوں کا چراغ
دیکھ کر دلی بازار کی اجڑی ہوئی مانگ
زار و زار سینۂ نگار خستہ جلتا ہے داغ
لوگ کہتے ہیں کہ اس باغ وطن میں پہلے
بیل کے پھول سے رات تکتے رہے باغ
اب نہ کوئل کی صدائیں ہیں نہ بلبل کا ہجوم
شاخ گلشن پر نظر آتے ہیں بیٹھے ہوئے زاغ
تیرگی جب بھی ستانے لگی دنیا کا ضمیر
ہے کسی کے لیے جلتا ہوا آرزو کا چراغ

اسلم نصیر لودی

نہ ہم قاتل نہ وہ قاتل کا انداز قاتل ہے
سراپا راز وہ ہے اس کا ہر انداز قاتل ہے
فضا قاتل فضا قاتل ذہن قاتل زبان قاتل
نہیں کوئی نہیں اب حسرت پرواز قاتل ہے
نہ قاتل کا کوئی پیکر نہ خون افشاں کوئی خنجر
جو ہے سینے میں پوشیدہ وہی اک راز قاتل ہے
عدو کی آستیں میں آج تک خنجر نہیں دیکھا
مگر اسلم ترا ہر مونس و ہمساز قاتل ہے

عمار بن عابد ، ریذیڈنشیل میڈیکل آفیسر
ابن سینا طبیہ کالج ہاسپٹل بینا پارہ اعظم گڑھ

پروٹین

پروٹین یونانی لفظ پروٹیاس سے مشتق ہے جس کے معنی ابتدائی، اولی اور مقدم کے ہوتے ہیں ٹھیک یہ لغوی معنی کے اعتبار سے جسم انسانی کی تولید و تحفظ کے لئے یہ مقدم ہے جسم انسانی کی نشو و نما کے لئے نشاستہ حیاتین، شحمیات اور معدنی نمکیات کی ضرورت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن پروٹین ان تمام اجزا سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔

اس کی اہمیت کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اگر بدن سے تمام پانی خارج کر دیا جائے تو باقی شدہ اشیاء میں ۵۰ % پروٹین موجود ہوتی ہے۔

کیمیاوی تجزیہ : پروٹین نائٹروجن میں ملی ہوتی ہے، اس کی ترکیب میں کاربن، ہائیڈروجن، آکسیجن نائٹروجن اور سلفر کے علاوہ قلیل مقدار میں فاسفورس، آئیوڈین، لوہا اور تانبا بھی پایا جاتا ہے۔ ان کا تناسب درج ذیل ہے:

کاربن ۵۰ % سے ۵۵ % ، سلفر ۰٫۳ % سے ۵ % ، نائٹروجن ۱۰ % سے ۱۵ %

ہائیڈروجن ۶٫۵ % سے ۷٫۳ % ، آکسیجن ۱۹ % سے ۲۴ %

طبعی خصوصیات : پروٹین کا کوئی رنگ نہیں ہوتا اور بغیر قلموں کی شکل میں پائی جاتی ہے گرم کرنے پر منجمد ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر زیادہ دیر تک حرارت پہنچائی جائے تو کوئلے کی شکل اختیار کر لیتی ہے، پانی، الکوحل، ایتھر وغیرہ میں بالکل حل نہیں ہوتی زیادہ تر پروٹین نمک کے محلول میں حل ہو جاتی ہے۔ لیکن پروٹین کے کچھ اقسام جیسے جلیٹن، البومین وغیرہ بھی پانی میں بھی حل پذیر ہوتے ہیں۔

ماخذ : پروٹین حیوانات اور نباتات دونوں سے حاصل کی جا سکتی ہے لیکن دودھ، گوشت، انڈے اور مچھلی وغیرہ میں کثیر مقدار میں موجود ہوتی ہے، اس کے علاوہ نباتات تخم میں بھی پائی جاتی ہے مختلف اجزاء میں ان کی مقدار مختلف ہوتی ہے۔

دودھ ۳ % سے ۴ % ، انڈا (زردی) ۱۵ % سے ۱۷ % ، انڈا (سفیدی) ۱۱ % سے ۱۳ %

گھی ۴ % سے ۱۰ % ، مرغ کا گوشت ۲۳ % سے ۲۴ %

ہضم : بصورت غذا حاصل کی ہوئی پروٹین کے ہضم کی ابتدا معدہ سے ہوتی ہے معدہ کے انسجہ سے ترشح پانے والی رطوبت معدی میں پیپسین نام کا ایک خمیر موجود ہوتا ہے جو پروٹین کو پیپٹون میں تبدیل کرتا ہے۔ جب غذا ہضم معدی کے مراحل سے گذر کر آنت عشری میں آتی ہے تو اس کی ملاقات رطوبت بانقراس سے ہوتی ہے جس میں ٹرپسین اور کائموٹرپسین نام کے دو خمیر موجود ہوتے ہیں جو پروٹین کی تبدیل شدہ شکل پیپٹون کو پالی پیپٹائڈ میں تبدیل کر دیتے ہیں جب غذا اور آگے بڑھتی ہے تو امعاء میں ترشح ہونے والا ایک خمیر اریپسین کے عمل کے سبب پالی پیپٹائڈ، امینو ایسڈ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ امینو ایسڈ بہت لطیف اور تیزی سے جذب ہونے والی پروٹین کی ایک شکل ہے جو خمل امعاء کے ذریعہ جذب ہو کر تغذیہ بدن میں کام آتا ہے۔

فوائد : پروٹین بدن انسان کے لئے ایک معمار کی حیثیت رکھتی ہے جسم کے تمام تعمیری کاموں میں پروٹین کا ایک اہم رول ہے۔ ہمارا پورا بدن بدل ما یتحلل کا محتاج ہے یعنی بدن سے جو اجزاء تحلیل ہو چکے ہیں ان کا بدل پروٹین مہیا کیا جاتا ہے۔ یہ بدن انسانی کے تمام مردہ خلیات کا بدل پیدا کرتی ہے عضلات کو طاقت دیتی ہے خلیات کے مادہ حیات کا ایک اہم جز ہے۔ بدن میں پائے جانے والے سیال یعنی خون وغیرہ کی pH کو صحیح رکھتی ہے بدن کی قوت مدافعت کو برقرار رکھنے کے لئے جسم میں موجود Anti body بھی پروٹین پر مشتمل ہوتی ہے۔

کمی کے اثرات : بدن انسان میں اگر پروٹین کا تناسب ضرورت سے کم ہو جائے تو اس کے نتیجے میں جسم ضعیف ہو جاتا ہے۔ بدن میں سستی رہتی ہے وزن گھٹنے لگتا ہے۔ قلت دم کی شکایت ہو جاتی ہے تھوڑا سا کام کرنے پر بدن بہت جلد بدن کے تھکن کے احساس کو قبول کر لیتا ہے۔

بچوں میں اس کی کمی کے سبب دو بہت اہم بیماریاں Marasmus اور Kwashiokor میں مبتلا ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی نشو و نما پر برا اثر پڑتا ہے۔ جسم کے عضلات ضائع ہو کر لاغر ہو جاتے ہیں، دماغ ضعیف، چہرہ بے رونق اور اس پر جھریاں پڑ جاتی ہیں بچہ دن بدن

روزانہ مقدار ضرورت : ایک جوان آدمی میں پروٹین کے تناسب کو برقرار رکھنے کے لئے روزانہ فی کلوگرام جسمانی وزن ایک گرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن بچوں کو جن کا جسم نشو و نما میں پروٹین کا اہم کردار ہے، ان کو پروٹین کی زیادہ ضرورت ہے یعنی فی کلوگرام جسمانی وزن دو گرام پروٹین کی ضرورت ہوتی ہے۔

ادارہ

تعارف و تبصرہ

نام کتاب: شہر اولیاء، مصنف (ڈاکٹر) وزیر احمد، سائز $\frac{20 \times 30}{16}$

چھوٹی عمدہ طباعت، صفحات ۳۳۶، قیمت مجلد ۴۰ روپیہ

پتہ:- دانش بک ڈپو، چوک ٹانڈہ، (فیض آباد) یوپی

اس کتاب کے اوپر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔ "اجودھیا ضلع فیض آباد (یوپی) کے تاریخی نشیب و فراز اور مدفون بزرگوں کے حالات" اور یہی اس کتاب کی حقیقت ہے۔ اس میں سلطنت اودھ کی اجمالی تاریخ اور نوابان اودھ کی زندگی کی صبح و شام کا مختصر تذکرہ ہے، مصنف کا قلم تاریخ لکھتے لکھتے کبھی ادبی رنگ اختیار کر لیتا ہے تو کبھی صبر و ضبط کا بندھن توڑ کر ماتم کناں بن جاتا ہے۔ خصوصاً جب بزرگوں کے شاندار کارنامے، رنگین مزاج اور ہوس پرست نوابوں کی ہوس پرستی کا نشانہ بن جاتے ہیں۔

یہ کتاب حقیقت میں ایک گائڈ بک ہے ان لوگوں کے لئے جو فیض آباد کو دیکھنا چاہتے ہیں، اس کی تاریخ کو جاننا چاہتے ہیں اور وہاں مدفون بزرگوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں، تاہم یہ بات بہت واضح ہے کہ مصنف نے چند تاریخی کتابوں کو پڑھ کر اور مقامات کو دیکھ کر اور عوام و خواص سے واقعات سن کر اس کتاب کو تحریر کر دیا ہے، واقعات کی چھان بین اور مقامات کی تحقیق و جستجو کا حق ادا نہیں ہوا ہے، تاریخی حقائق کو چھوڑ کر مصنف نے ان تمام چیزوں کو من و عن قبول کر لیا ہے جو عوام میں زبان زد خواص و عام ہیں اور تحقیق و جستجو کی کوشش نہیں کی، مثال کے طور پر "یہ فخر ہندوستان میں صرف سرزمین اودھ (اجودھیا) کو حاصل ہے کہ اس کی آغوش میں نہ صرف دو جلیل القدر انبیاء (علیہم السلام) محو خواب ہیں" اور نیچے حاشیہ میں حضرت شیث و حضرت یعقوب علیہم السلام کا نام درج ہے، صـ۳۳

تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی یہ سوچے گا کہ حضرت شیثؑ کی قبر اجودھیا میں کیونکر ہو سکتی ہے تاریخ کی قدیم کتابوں میں حضرت شیثؑ کا تذکرہ موجود ہے۔ ابن اثیر نے اپنی مشہور زمانہ کتاب الکامل میں

پہلی جلد صفحہ ۲۱-۲۲ پر اس طرح رقمطراز ہیں "حضرت شیثؑ آدمؑ کے وصی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر پچاس صحیفے نازل فرمائے، وہ مکہ میں مقیم رہے، حج و عمرہ کرتے رہے اور وہیں ان کو موت آئی، انھوں نے اپنے والد حضرت آدم کے صحیفوں پر عمل کیا اور مٹی اور پتھر سے خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ حضرت شیثؑ کا جب انتقال ہوا تو انھوں نے اپنے بیٹے انوش کو وصیت کی اور اپنے والدین کے ساتھ غار ابو قبیس میں دفن کئے گئے، ان کی پیدائش حضرت آدمؑ کی عمر ۲۳۵ سال کی تھی" یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ آدم کی اولاد لاولد رہی سوائے حضرت شیثؑ کے۔ انھیں سے نسل آدم آگے بڑھی اور اس طرح حضرت آدمؑ کے بعد یہ ابو البشر ہوئے"

عقلی اعتبار سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے، اگر یہ بات مان لی جائے کہ آدمؑ لنکا میں کسی جگہ آسمان سے اتارے گئے اور حوا جدہ میں اور دونوں ایک دوسرے کو تلاش کرتے ہوئے مزدلفہ میں قریب ہوئے اور عرفات میں متعارف ہوئے تب بھی ہندوستان میں رہنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور تاریخ کی گواہیاں بتاتی ہیں کہ قرآن نے جن نبیوں کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے اکثر شام، عراق، فلسطین، اردن اور مصر کے علاقے میں تشریف لائے اور وہیں نسل انسانی کا وجود بھی ملتا ہے، قرآن دوسرے انبیاء کے بارے میں اصولی بات کہہ کر خاموش ہو گیا ہے: "لکل قوم ھاد"

حضرت یعقوبؑ کے بارے میں بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے۔ قرآن میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، یعقوبؑ، یوسف، موسیٰ، عیسیٰ وغیرہ انبیاء کا تفصیل سے تذکرہ ہے اور تمام عربی کتابیں، تفسیریں، تاریخی کتابیں اور سیرت... ان کے تذکرے سے بھری پڑی ہیں، سورہ یوسف تو یعقوب اور یوسف کے ہی بارے میں ہے، حضرت یعقوبؑ کا انتقال مصر میں ہوا اور ان کی وصیت کے مطابق ان کی قبر شام میں ہے۔

اسی طرح حضرت نوحؑ کی کشتی کے چند ٹکڑوں کا اجودھیا میں پایا جانا محال ہے کیونکہ حضرت نوحؑ عراق میں رہتے تھے، بابل کے آثار قدیمہ میں پائی جانے والی کتبات سے اس کا پتہ چلتا ہے اور کردستان اور آرمینیا کے لوگوں میں جو روایات زبان زد خاص و عام ہیں اس سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے، روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ... کشتی نوحؑ کو دیکھا تھا، پھر بعض خبروں کے مطابق کوہ جودی تھا، اور بعض کے مطابق کوہ ارارات ... جو اس کتاب میں نو گزی قبر کے بارے میں صفحہ ۱۹۲ میں بحث کی گئی ہے ...

ماسٹر جنید احمد، ٹمر باڑ گنج

حلقۂ یاراں

گذشتہ شمارہ میں جناب رضی الدین صاحب جامعی کا ایک خط شائع ہوا تھا۔ اس خط کے جواب میں ہمیں بہت سے خطوط موصول ہوئے ہیں جن میں سوال و جواب کے مختلف لہجے اختیار کئے گئے ہیں۔ ہم ان میں سے ایک خط کو شائع کر رہے ہیں اور باقی احباب سے گزارش ہے کہ وہ رضی الدین صاحب سے براہ راست ربط پیدا کریں۔ نیز اس تعلق سے حیات نو میں اب کوئی خط شائع نہیں ہوگا۔

حیات نو میں سوال و جواب کے ایک کالم کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ آپ علمی، دینی اور فقہی سوالات واضح اور جامع انداز میں لکھ کر روانہ کریں۔ مولانا محمد طاہر صاحب اثری مدنی انکا جواب دیں گے ان شاء اللہ۔ سوالات ایک یا دو سے زیادہ نہ ہوں۔ (ادارہ)

محترم طارق فالیط صاحب سلام مسنون،

حیات نو اکتوبر ۲۰۰۳ء کا شمارہ نظر نواز ہوا حلقۂ یاراں میں رضی الدین صاحب کا خط پڑھنے کا اتفاق ہوا اس خط کو دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ موصوف اس وقت کافی فکری الجھن کا شکار ہیں جس کی عکاسی خود ان کا گنجلک خط کرتا ہے۔ غائرانہ مطالعہ کے بعد اگر اس خط کا بھرپور جائزہ لیا جائے تو مندرجہ ذیل چار باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱- اولاً جمہوریت اگر فی الواقع قائم ہو جائے تو کوئی خبیث شے نہیں ہے۔

۲- یہ کہ شرک فی الحاکمیت ایک نظری بحث ہے۔

۳- سوم یہ کہ یہ خط بانی جماعت کی بنیادی غلطی کی ایک نشاندہی ہے۔

۴- انبیاء کا مشن حاکمیت الٰہ کے تصور سے عاری ایک دعوت تھی۔

یہ ہیں موصوف کے خیالات جنکی وجہ سے انھوں نے ایک مضمون مدیر حیات نو کو بطور ایک خط کے ارسال کیا اور مدیر طارق صاحب اس شعر کے مصداق ہیں ؎

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

آیئے ذرا ان کے ان خیالات کا ایک سرسری جائزہ لیں کہ یہ باتیں کہاں تک دلائل اور حقائق سے مناسبت رکھتی ہیں۔ موصوف نے جمہوریت کو مغربی لبادہ پہنا کر اپٹوڈیٹ بنانے کی ایک ناکام کوشش کی ہے جس طرح کہ آج کا نوجوان مغربی پوشاک زیب تن کرکے یہ محسوس کرتا ہے کہ اب اس کا معیار زندگی بلند ہو گیا ہے حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں میری رائے یہ ہے کہ آنجناب کو چاہئے تھا کہ وہ سب سے پہلے یہ معلوم کرتے کہ جمہوریت کیا ہے کیا نہیں ہے تو حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی اور انھیں معلوم ہو جاتا کہ جمہوریت ایک نظم حکومت کا نام ہے اور جمہوریت کے تمام علمبرداروں نے جمہوریت کی تعریف میں اس کو گورنمنٹ کہا ہے مصلحتاً اجازت انہیں دے رہے ہیں ورنہ میں نام بنام گن گن کر بتاتا۔ ہاں اگر آپ کے پاس ان مغربی مفکرین کے علاوہ کوئی اور وجہ ہو تو براہ کرم مجھے بھی نوازیں! ایک تعریف بھی مثالاً پیش کریں جس میں جمہوریت کو گورنمنٹ نہ کہا گیا ہو۔ میرے خیال میں آپ ایسی کوئی مثال پیش کرنے سے قاصر رہیں گے۔ ان وجوہات کی بنیاد پر یہ جسارت کرتا ہوں کہ آپ سے کہوں کہ کیوں بندگان خدا کے ذہنوں کو حاکمیت الٰہ کے تصور سے خالی کرکے جمہوریت کے پراگندہ نظام کی طرف ڈھکیلنے کی ناکام سعی کر رہے ہیں اور یہ کیسے سمجھنے لگے ہیں کہ جمہوریت اگر کلی شکل میں نافذ ہو جائے تو انسانوں کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہوگی۔

اور جہاں تک شرک فی الحاکمیت کے تصور کو آپ ایک نظری بحث سمجھ رہے ہیں تو اس سلسلے میں یہ گزارش ہے کہ دنیا میں تاحشر بگاڑ کی ذمہ داری شرک فی الحاکمیت کے تصور کی پیداوار ہے جس سے عالمی اطمینان و سکون غارت ہو رہا ہے۔ کیا آپ اس حقیقت سے انکار کر سکتے ہیں کہ دنیا والے اللہ کی زمین سے اللہ کو بے دخل کرکے خود گمراہی و ضلالت کی بھول بھلیوں میں گم نہیں ہو گئے ہیں؟

آپ نے اپنی تحریک کی بنیادی غلطی کی نشاندہی کرکے ایک ایسی بات کہی ہے جس پر سخت حیرت ہے ایسے ہی موقع پہ کہا جاتا ہے کہ گود میں بیٹھے داڑھی نوچے، جب ساری دنیا بانی تحریک پر کھڑک گئی تو آپ جیسے افراد جو قرآن و سنت سے استفادہ بھی نہیں کر سکتے اپنی تحریک کی فکر پر تنقید کر رہے ہیں اور ان کی فکر کو گمراہ کرنے کے لئے جسارت کر رہے ہیں کہ تحریک کی ابتداء مسئلہ حاکمیت کی بحث سے شروع کرکے بہت بڑی غلطی کی گئی ہے اور میں آپ سے ہرگز نہ چاہوں گا کہ بانی تحریک

کی تمام باتوں کو بے چون وچرا مان لیں لیکن یہ ضرور گذارش کروں گا کہ بانی تحریک نے ایک طویل مدت تک اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ اسلامی فکر کو پیش کیا اور پھر اسی کے تحت لوگوں کو اکٹھا کیا، اور باقاعدہ تحریک کی بنیاد رکھی، اب اگر ان لٹریچرس کو بنیادی غلطی کہا جا رہا ہے تو اس کے لئے کسی شخص یا شوریٰ کا قول ہی کافی نہیں سمجھا جائے گا بلکہ اس کے لئے قرآن وسنت سے ٹھوس دلائل دینے ہوں گے کیونکہ بانی تحریک نے جو کچھ بھی کہا ہے خواہ استنباطاً کہا ہو ان کی پشت پر قرآن وسنت سے دلیلیں دی ہیں، گو بانی تحریک اب دنیا میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کی زندگی کھلی کتاب کی طرح تحریری اور تقریری شکل میں بالکل موجود ہے اگر آپ اس میں کوئی غلطی محسوس کر رہے ہیں تو آپ کا دینی واخلاقی اور تحریکی فریضہ تھا کہ آپ اس کو کتاب وسنت کی روشنی میں واضح کرتے اور خود کو اس تحریک سے الگ کر لیتے جس تحریک کی بنیاد غلط طور پر استوار کی گئی ہے، چوتھی بات یہ ہے کہ اگر انبیائی دعوت حاکمیت الٰہ سے عاری دعوت ہے تو میری آپ سے گذارش ہے کہ انبیائی دعوت کے وہ کون سے ماخذ ہیں جن سے آپ نے مندرجہ بالا باتیں اخذ کی ہیں، میرے نزدیک انبیاء کی دعوت کا ماخذ کتاب وسنت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے قرآن انبیائی دعوت کے سلسلے میں جس بات کی بار بار تکرار کرتا ہے، وہ یہ ہے قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ آپ نے نہ جانے قرآن وسنت کی کن آیات وتشریحات سے یہ استنباط کیا ہے کہ انبیاء نے لوگوں کو اللہ کی حاکمیت کے بجائے کسی اور کی حاکمیت کے لئے بلایا اور دعوت دی اور پرستش غیروں کی کرائی۔ کیا یہی وہ کمال تھا جس کو دکھانے کے لئے آپ بے چین تھے۔ میں آپ کو اس فکر جدید پر دعوت دیتا ہوں کہ اپنے منتشر ذہن کو یکجا کر کے ایک نئی تحریک کا قیام عمل میں لائیں تو جلد ہی آپ کو اپنی قدر وقیمت کا اندازہ ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ اس کا آپ کو بھرپور صلہ بھی ملے۔

(محمد خلیل رحمانی)

سہارا غیر کا جب سے لیا، احساس ہوتا ہے — کہ ہم نے شاخ نازک پر بنائے آشیاں رکھدی
مسرت ہے کہ بھریں گے شریک سلطنت ہو کر — پریشاں ہیں جو عزت تھی اسے جانے کہاں رکھدی
ہوا شوق گل بوسی ہے یا حسرت رقیبوں کی — تراش گل ہیں سے اور کانٹوں پہ زباں رکھدی

ادارہ

جامعہ کے لیل ونہار

ششماہی امتحان کی تیاریاں:- الحمدللہ جامعہ نے سال رواں کے تعلیمی سفر کا نصف حصہ سر کر لیا ہے۔ ششماہی امتحان کی تیاری شروع ہو گئی ہے۔ جناب مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی صدر جامعہ نے رفقاء کے مشورے سے جناب مولانا انور محمد صاحب فلاحی کو ناظم امتحان مقرر کر دیا ہے، موصوف بڑی تندہی کے ساتھ فرائض کی انجام دہی میں لگ گئے ہیں۔ طلبہ نہایت ذوق وشوق اور انہماک کے ساتھ تیاریوں میں مصروف ہیں۔ جامعہ کی مسجد تقریباً ایک بجے رات تک قرآن وحدیث کی پرکیف صداؤں سے گونجتی رہتی ہے۔ اس کے بعد تین ساڑھے تین بجے سے پھر وہی حسین وخوش منظر سماں دیکھنے کو ملتا ہے۔

انشاء اللہ ۴ر نومبر ۱۹۸۶ء بروز منگل سے امتحان شروع ہو کر ۱۳ر نومبر بروز جمعرات کو اختتام پذیر ہو جائے گا اور اس کے بعد ۲۹ر نومبر تک جامعہ میں تعطیل رہے گی۔

ہفتہ فقہ:- جامعہ کے طلبہ وقتاً فوقتاً مفید اور دلچسپ پروگرام بھی عمل میں لاتے رہتے ہیں، جو کبھی تو سیمینار، خطاب کبھی استقبالیہ اور کبھی ہفتہ کی شکل میں ہوتا ہے۔ ماہ اگست میں ہفتۂ صلوٰۃ منایا گیا، جس میں پورے ایک ہفتے تک نماز کو موضوع بنا کر طلبہ نے مختلف پروگرام پیش کئے، اور اساتذہ کرام نے نماز کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔

ماہ ستمبر کے اوائل میں ہفتہ صفائی منایا گیا، اور ماہ ستمبر ہی کے اواخر میں ہفتۂ فقہ کا اہتمام کیا گیا۔ اس موقع پر تقابلی ادب پر طلبہ نے مقالے پیش کئے۔ برادر مسیح الزماں، برادر نظام الدین، برادر ولی اللہ سعیدی اور برادر سرفراز قریشی نے امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی سیرت وسوانح پر علمی اور تقریبی مقالے پیش کئے۔

مولانا محمد طاہر مدنی کا خطاب:- ہفتۂ فقہ کے سلسلے میں ہی طلبہ کی دعوت پر مولانا محمد طاہر صاحب [illegible] "فقہی اختلافات، نقصانات، اور حل" کے موضوع پر ایک [illegible] تقریر کے بعد طلبہ کو سوالات واشکالات پیش کرنے کا

بھی موقع دیا گیا۔

معاون امیر جماعت نذر اللہ کی آمد:۔ ماہ ستمبر میں جماعت اسلامی ہند حلقہ کیرالہ کے معاون امیر محترم مولانا وی۔ کے حمزہ صاحب جامعہ تشریف لائے اور بعد نماز عشاء جامعہ کے ہال میں طلبہ کے اجتماع سے (عربی) میں خطاب فرمایا۔

مولانا رحمت الاثری کی تقریر:۔ جامعہ کے قدیم فاضل اور سابق استاد جناب مولانا رحمت الاثری فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے اعزاز میں ایک پروگرام رکھا گیا جس میں موصوف نے طلبہ کو لگن اور تن دہی کے ساتھ تعلیمی سفر طے کرنے اور دوسری تمام دلچسپیوں سے الگ رہنے کی دعوت دی۔ اور ہمارا مقصد اقامت دین ہے۔ اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے غیر معمولی علم اور مطالعہ کی ضرورت ہے۔ طلباء اسی ضرورت کی تکمیل کے لئے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ پوری توجہ کے ساتھ اپنے فریضے کی انجام دہی میں لگ جائیں۔

دو فلاحی مدنی اساتذہ کا تقرر:۔ گذشتہ ماہ جناب مولانا جاوید اشرف فلاحی اور مولانا ادریس احمد فلاحی کا دار الافتاء ریاض کی جانب سے جامعہ میں تقرر ہو چکا ہے۔ دونوں ہی اساتذہ پوری لگن اور محنت کے ساتھ تدریسی فرائض کی انجام دہی میں لگے ہوئے ہیں۔

محمد انوار فلاحی ابن مولانا محمد احمد اصلاحی کو صدمہ

محمد انوار صاحب کی والدہ ماجدہ طویل علالت کے بعد ۱۲ ستمبر ۸۶ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا تعالیٰ ان سے عفو و درگذر کا معاملہ کرے اور جنت میں بہترین مقام سے نوازے۔ قارئین حیات نو سے مرحومہ اور پسماندگان دونوں کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

(بقیہ حضرت خباب)

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

رَحِمَ اللّٰهُ خَبَّابًا، فَقَدْ أَسْلَمَ رَاغِبًا
وَهَاجَرَ طَائِعًا وَعَاشَ مُجَاهِدًا
وَلَنْ يُضِيعَ اللّٰهُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا

اللہ تعالیٰ خباب پر رحم فرمائے، انھوں نے بہ رضا و رغبت اسلام قبول کیا، اپنی خوشی سے ہجرت کی، اور ایک مجاہد کی زندگی گزاری۔ اور اللہ تعالیٰ اچھا عمل کرنے والے کا اجر ضائع نہیں کرتا۔